فضائل والدین کریمین، نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات

اُمُّ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا بنتِ وہب

قبر مبارک والدہ ماجدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مقامِ ابواء)

تصنیف

ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن (بنت شاطی) مصر

زیر سرپرستی

خواجہ عبدالمجید اویسی دامت برکاتہم العالیہ

بااہتمام

میاں نیاز احمد نورانی

افتخار احمد حافظ قادری

چوہدری عبدالرؤف

فضائل والدین کریمین، نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات

اُم النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا بنت وہب

تصنیف
ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن (بنت شاطی) مصر

زیر سرپرستی خواجہ عبدالمجید اویسی دامت برکاتہم العالیہ

زیرنگرانی:۔ حاجی شیخ محمد سعید صاحب

نام کتاب ☜ اُمّ النبی ﷺ

تصنیف ☜ ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن (بنت شاطئ)

مترجم ☜ محمد اصغر (کراچی)

سرورق کمپوزنگ ☜ شفیق الرحمٰن

پروف ریڈنگ ☜ السیّد عقیل انجم

ناشر ☜ ادارہ شعور و آگہی

اشاعت اوّل 2000 ☜ یکم ربیع الاوّل ۱۴۳۷ھ، بمطابق (13 دسمبر 2015ء)

اشاعت دوم 1000 ☜ ۱۳ جمادی الثانی ۱۴۳۷ھ، بمطابق (23 مارچ 2016ء)

اشاعت سوم 1000 ☜ ۱۴ صفر ۱۴۴۲ھ، بمطابق (24 ستمبر 2020ء)

اشاعت چہارم 500 ☜ ۳ جمادی الاوّل ۱۴۴۲ھ، بمطابق (19 دسمبر 2020ء)

اشاعت پنجم 300 ☜ ۳ جمادی الاوّل ۱۴۴۲ھ، بمطابق (19 دسمبر 2020ء)

افتخار احمد قادری

خصوصی گزارش

کتاب ''ام النبی ﷺ'' آپ کے ہاتھ میں ہے، مضوع کی اہمیت اور حضور اکرم ﷺ کی بشارت کی بنا پر یہ کتاب مزید اشاعت کی طلبگار ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کتاب کو بلا کسی تجارتی مقصد کے زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے۔ اس نیک اور اعلیٰ ترین مقصد کی تکمیل کے لیئے آپ بھی آگے بڑھیں اور اس کتاب کی مزید اشاعت میں بھرپور حصہ لیں۔

برائے رابطہ

حافظ خواجہ عبدالمجید اویسی۔ 0321-6651695

میاں نیاز احمد نورانی۔ 0321-2082873

فہرست

اظہارِ عقیدت

مقبول بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علامہ جمیل احمد نعیمی، ضیائی، چشتی، صابری مدظلہٗ العالی، ناظم تعلیمات و اُستاذ الحدیث، دارالعلوم نعیمیہ کی خدمت میں حاضری دی تو آپ نے بہت شفقت سے کتاب ''ام النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا بنت وہب، عنایت فرمائی اور غور سے پڑھنے کے لیئے فرمایا۔

۲۔ ''اُم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کی اصل مصنفہ مصر کی ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن بنت شاطی ہیں۔ انہوں نے اسے عربی زبان میں تحریر فرمایا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے مفصّل حالاتِ زندگی تحریر فرمائے جو اور کُتب میں نہیں ملتے۔ اسی وجہ سے کتاب ھٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول ہوئی۔

۳۔ کتاب ''اُم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ہمارے پیارے آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پسند فرمائی اور پاکستان کے جید عالم دین حافظ وقاری مولانا عبدالواحد قادری مدنی کو پاکستان میں اس کتاب کو فروغ دینے کا حکم فرمایا۔ باقی حقائق قارئین کرام خود کتاب ھٰذا میں پڑھیں گے۔

۴۔ راقم کا خیال تھا کہ کتاب ھٰذا کو پاکستان کی دوسری زبانوں مثلاً گجراتی، سندھی، پنجابی اور پشتو میں عام کیا جائے۔ لیکن کئی عملی مشکلات کی وجہ سے ارادہ ملتوی کرنا پڑا اور قومی زبان اردو میں ایک ہزار کتب کی چھپائی اور تقسیم پر اکتفا کیا۔

محمد یامین
قادری، چشتی، صابری، نظامی
(بی کام۔ ایل ایل بی)
مکان نمبر: آر، ۳۰۵۱، بلاک ۲
میٹرو ویل ۳ گلزار ہجری، کراچی

حدیث دل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلله رب العلمين و الصلوٰة والسلام على اشرف الانبياء و

سيدالمرسلين وعلى اله وصحبه اجمعين

آنکھوں کے رستے قلب وروح میں سما جانے والا یہ تذکرہ اس عظیم ہستی کا ہے جس کی آغوش رحمت میں اس ذات نے پرورش وتربیت پائی جو کہ جمالِ صورت اور حسنِ سیرت میں کامل واکمل ہے۔

اظہار ''کُن'' سے امر ''صور'' تک جتنے صاحبان کمال و جمال پیدا ہوئے اور پیدا ہوں گے ان میں سے کسی کا بھی تقابل '' آمنہ کے لعل'' سے نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو جو فضیلت و رفعت اور ہمہ جہتی عطا فرمائی کون ہے جو اس کا دعویٰ معرفت کر سکے؟ عقل انسانی ورطۂ حیرت میں غرق ہو جاتی ہے کہ جب اس بیٹے میں یہ کمالات ہیں تو اس کی ماں کی رفعتیں کیا ہوں گی جس کی کوکھ میں ایسے فرزند نے جنم لیا جو عالم انسانیت کیلئے وجہ افتخار بنا۔

اُمّ النبی سیدہ آمنہ بنت وہب کی سیرت طیبہ کے تفصیلی تذکرے سے اکثر کتب خالی نظر آتی ہیں اور ایک تشنگی تھی کہ ابوین کریمین مصطفےٰ ﷺ کی زندگی کیسی تھی؟ اور ایک ایسا دور جس میں خوارج کی بے باک فکر بڑھ گئی اور ان کے قلم و زبان ان عظیم ہستیوں کے ایمان کے بارے میں نا قابل برداشت حد تک آزاد ہو گئے ہیں۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ اس کمی کو پورا کیا جائے اس کمی کو مصر کی عالی مرتبت ادیبہ ومحققہ بنت شاطئ ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن نے پورا کیا اور پھر یہ وہ کتاب ہے جس کو حبیب لبیب مصطفیٰ کریم ﷺ نے خود پسند

فرمایا اور عام کرنے کا حکم دیا۔ اس کتاب کی بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں مقبولیت کی اور کیا سند ہو سکتی ہے؟ یہ کتاب پاکستان کیسے پہنچی اور اردو زبان میں ترجمہ کیسے ہوا؟ یہ بھی روح کو وجد میں لانے والا تذکرہ ہے جو کہ آپ عرض مترجم میں پڑھ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے اپنے حبیب ﷺ کے طفیل اس گوہر نایاب اور تذکرۂ بے بہا کی اشاعت ثانی کا موقع مجھ جیسے کم ترین گمنام کو عطا فرمایا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشند خدائے بخشندہ

اس عظیم سعادت پر میں رب قدیر کا بے انتہا شکر گزار ہوں اور اس رب العزت کے حضور اپنے تمام معاونین، مخلصین، محبین ''خصوصاً حکیم حافظ خواجہ عبد المجید اویسی قادری چشتی نوشاہی جن کی سرپرستی میں سارا کام مکمل ہوا اور میرے جذبے کو جلا بخشی تہہ دل سے مشکور ہوں۔ مولانا فضل الرحمٰن نورانی السید عقیل انجم قادری، حافظ عبد العزیز، شیخ محمد رضوان فریدی، چوہدری نعیم اسلم گل'' کے حق میں دعا گو ہوں جن کے پرخلوص تعاون، اخلاص ومحبت اور ہمت افزائی سے یہ مرحلہ آسان ہوا اور اُمّ النبی ﷺ کا یہ نسخہ ایک بار پھر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اشاعتی معیار کے حوالے سے اس عظیم تذکرے کا حق تو ادا نہ کر سکے مگر تمام تر کمزوریوں اور بے سروسامانی کے باوجود کوشش اس یقین کامل کے ساتھ کی کہ '' روز جزا'' یہی عمل ہمیں شفاعت مصطفےٰ ﷺ کا حق دار بنا دے گا۔

گر قبول افتد ہے عز وشرف

گدائے درِ اُمّ النبی ﷺ

خاکپائے امام شاہ احمد نورانی صدیقیؒ

میاں نیاز احمد نورانی

عرض مترجم

یوں تو حضور پرنور، شافع یوم النشور، سرور کونین، رسول الثقلین، مقصود کائنات، شہنشاہ عرب وعجم، محبوب کبریا جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے والدگرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جو آپ ﷺ کی بعثت سے قبل ہی اس دارفنا سے عالم بقا کی طرف کوچ فرما گئے، کی عظمت وشان، مقام ومرتبے اور ادب واحترام سے کون انکار کرسکتا ہے۔

تاہم! بصد عجز وانکسار:

سلام اس محسنہ انسانیت پر جو خالقِ کائنات کی ایک عظیم امانت کی امین بنی۔

سلام اس ماماتاؤں کے جھومر پر جس نے والضحیٰ کے چہرے والے پھول کو اپنی پاکیزہ آغوش میں جلا بخشی۔

سلام اس ماؤں کی سردار پر جسکے کاشانہ اقدس میں نور ازلی کی وہ کرن پھوٹی جس نے باطل کے اندھیرے میں حق کی نورانی قندیلیں روشن کیں۔

سلام اس صالحہ کی حرمت پر جس نے ماؤں کو عظمت ووقار کی بلندیوں سے سرفراز فرمایا۔

سلام اُس اُم النبی ﷺ پر جس کا دریتیم امام الانبیاء کے درجے پر فائز ہوا۔

سلام اُس سیدہ رضی اللہ عنہا، طیبہ وطاہرہ کی عظمت پر جس نے اس دارِ فانی کو الوداع کہتے ہوئے یہ الفاظ کہے۔

''میں اب تو اس دنیا سے جارہی ہوں۔ مگر میرا تذکرہ باقی رہے گا۔ کیونکہ میں اپنے پیچھے اپنے لخت جگر، نورِ نظر محمد مصطفیٰ ﷺ کو چھوڑ کر جارہی ہوں جو سراپا خیر وطہارت ہیں۔''

ویسے تو خود خالق کائنات اپنے پیارے حبیب کریم ﷺ کی بعثت کا ذکر سورۃ المائدہ میں اس طرح فرماتا ہے۔

''بیشک آ گیا تمہارے پاس نور اور روشن کتاب''

لہٰذا کسی بھی صاحب عقل وفہم کیلئے یہ بات سمجھنا مشکل نہیں کہ جو نور تخلیقِ آدم سے بھی پہلے مقام نبوت پر فائز تھا۔ اُس کی بطن آمنہ رضی اللہ عنہا میں کیفیت کیا ہوگی اور وہ عظیم ماں جس نے پیکر خلق عظیم ﷺ کو جنم دیا اسکی عظمتوں کا عالم کیا ہوگا۔

اُس ماں کی خود اپنی حرمت وعظمت کا عالم کیا ہوگا جس کا شہزادہ خود خالق کائنات کا مہمان ہو، جبریل جس کے دربان ہوں، انبیاء اس کے مقتدی ہوں اور وہ خود اپنی زبان مقدسہ سے ماں کے درجے ومرتبے کا اعلان ان الفاظ میں کرے۔

''جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔''

یوں تو ہم سب جانتے ہیں کہ ایمان اور عقیدے کو دو چیزیں مضبوط بناتی ہیں۔ ایک احترام وادب اور دوسری فرمانبرداری۔

مسلمانوں کی تاریخ پر عمیق نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قوم جب بھی زوال پذیر ہوئی یا کمزور ہوئی تو اسکی بنیادی وجہ احکاماتِ خداوندی سے روگردانی اور حرمت ومحبت رسول ﷺ کی کمی تھی۔

اگر اسی کلیہ کے تناظر میں دور حاضر میں فکر کی آنکھ سے دیکھا جائے تو ہماری ناکامیوں، پریشانیوں اور بے بسیوں کے پیچھے صرف اور صرف مذہب سے دوری اور عقائد کی کمزوری کے سوا کچھ نہیں ہے۔ آج ہم میں سے ہر ایک کو اپنے گریبان میں جھانک کر ان سوالات کا جواب تلاش کرنا ہوگا کہ:

کیا ہم اپنی نسلوں کو جدّت پسندی اور مغربی اقدار کے تعاقب میں شعائر اسلام

سے دوری، محبت رسول ﷺ کی بجائے گستاخی رسول ﷺ اور ادب واحترام کے بجائے بے ادبی کی تعلیم دینا شروع نہیں کردی؟

کیا آج ادب واحترام اور فرمانبرداری کی جگہ، گستاخی، بے ادبی ونافرمانی نے نہیں لے لی؟ کیا اعمال صالحہ کی بجائے بے حیائی وفحاشی تسکین روح کا سبب نہیں بن چکی؟ کیا احترام انسانیت کا خوشگوار ماحول ذلت وتحقیر کے اندھیروں میں گم نہیں ہو چکا؟

اور سب سے اہم ترین بات یہ کہ اس بھیانک صورتحال میں اپنی نسلوں کے تحفظ ایمانی کا معاملہ ہمارے لئے لمحہ فکریہ نہیں بن چکا؟

لیکن بدقسمتی سے ہم اپنی اولادوں کو اپنے مذہب وعقیدے کے متعلق وہ دلچسپ اور متاثر کن باتیں اُس انداز سے نہیں بتاتے جس طرح بتانے کا حق ہوتا ہے۔ اور جس سے حرارت ایمانی میں تازگی اور عقائد میں پختگی آتی ہے۔ بلکہ محض فرضی انداز سے اس قرض کو اتارنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے۔ جس سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ دور حاضر کی نوجوان نسل اپنے عقائد اور نظریات سے عاری وبیزار ہوتی جارہی ہے۔

زیر نظر کتاب ''اُمّ النبی ﷺ'' سیدہ، طیبہ وطاہرہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا بنت وہب کی سیرت وکردار کا ذکر جمیل اور گوہر نایاب ہے۔ جو اپنی نوعیت کا منفرد اور انتہائی جامع نسخہ ہے۔ اس گلہائے عقیدت کو گلدستہ محبت میں الفاظ کی شیرینی اور عقیدت کی فروانی دینے کا شرف مصر کی ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمان (بنت شاطئی) نے حاصل کیا۔

'اُمّ النبی ﷺ ایک ایسا نادر شاہکار ہے جس کی فصاحت وبلاغت اپنے اوج کمال پر ہے۔ محترمہ ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمان نے انتہائی دلکش اور پرتاثیر انداز میں سیدہ آمنہ کی حیات طیبہ کی تصویرکشی کی ہے جس سے ان کی سیرت کا ہر پہلو نمایاں اور کردار کا ہر گوشہ روشن نظر آتا ہے۔ محترمہ نے عورت ہونے کے ناطے نسوانیت اور مامتا جیسے عنوان پر قلم اٹھا کر

تاریخ کے کئی گمنام پہلو متعارف کروائے۔ بالخصوص سیدہ آمنہ کی سیرت وکردار کے بیان سے قبل جن تاریخ ساز ماؤں کی سیرت کو بطور حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ ان سے قارئین کے قلوب واذہان میں مامتا کی عظمت ومقام کا حسین احساس پیدا ہوتا ہے۔

مصنفہ 'اُمّ النبی ﷺ مصر کے ادبی میدان کی مشہور ومعروف اور قابل قدر شخصیت ہیں۔ ان کا اسلوب بیان انتہائی منفرد اور تحقیق بڑی جامع اور حقائق پر مبنی ہے۔ انداز تحریر میں روانی ودلکشی اور ادبی معیار ان کا خاصہ اور جذبات کی فراوانی انکی عقیدت کی حقیقی عکاس ہیں۔ قارئین کی دلچسپی اور معلومات کیلئے مصنفہ کا مختصر تعارف بھی شامل کیا گیا ہے۔

اب کچھ تذکرہ اس نادر نسخے کے پاکستان لائے جانے اور ترجمہ کروانے کے متعلق:

سب سے پہلے میں اس کتاب کے تمام قارئین کو انتہائی مبارکباد پیش کرنا چاہتا ہوں اس لیے کہ یہ کتاب 'اُمّ النبی ﷺ ساقی کوثر ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ ناز میں پیش کیا جانے والا وہ گلدستہ عقیدت ہے جس کو خود آقائے نامدار ﷺ نے پسند اور منتخب فرمایا۔

واقعہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کو پاکستان لانے کی سعادت ایک درویش منش مردحق، جید عالم دین، حافظ وقاری مولانا عبدالواحد قادری مدنی دامت برکاتہ نے حاصل کی۔ صاحب موصوف ۲۵ سال تک مسلسل روضہ رسول ﷺ کی خدمت پر مامور رہے اور حبیب کبریا ﷺ کے انوار وتجلیات اور جلوؤں سے لبریز فضاؤں میں دیدار دیار یار کی لذتوں سے سرشار ہوتے رہے۔ اسی دوران دیار حبیب ﷺ کی پُرنور فضاؤں میں انکی ملاقات ہندوستان کی ایک عظیم المرتبت برگزیدہ شخصیت سے ہوئی جو عرصہ دراز سے سعودی حکومت میں کسی اعلیٰ عہدے پر اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ لیکن اس گمنام شہزادۂ ولایت کے روحانی

مقام و مرتبے کا کون اندازہ کرسکتا ہے جسے آقائے دو جہاں ﷺ نے اپنے دیدار سے مشرف فرما کر "ام النبی" کتاب جیسا تحفہ عنایت فرمایا۔ صاحب موصوف نے اس کتاب کا عربی متن قبلہ مدنی صاحب کے سپرد کیا اور کہا کہ اس کو پاکستان بھیج دیں اور اس کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کروا کر عوام الناس میں عام کردیں۔ استفسار پر انہوں نے ارشاد فرمایا کہ "ایک رات خواب میں آقائے دو جہاں ﷺ نے انہیں مصر کی ایک لائبریری دکھائی جس کے ایک کونے میں اس کتاب "اُمّ النبی ﷺ" کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اُسکو لیکر پاکستان بھیج دیں جہاں میرے کچھ چاہنے والے اس کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کریں گے۔ کیونکہ میرے والدین کے بارے میں عوام الناس کے عقائد خراب ہو رہے ہیں۔"

محترم قارئین!

اس حقیقت کے واشگاف ہوتے ہی اس کتاب کی اہمیت اور حیثیت یقیناً ہم سب پر عیاں ہوجاتی ہے۔ اور ہر صاحب ایمان شخص اس گوہر نایاب کی بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں باریابی اور پسندیدگی پر ماہی بے آب کی طرح تڑپ اٹھتا ہے۔ اور کوشش کرتا ہے کہ اس محبوب و مقبول نسخے کو جلد سے جلد پڑھنے کی سعادت سے وہ بھی مشرف ہو۔ بہرحال کتاب کا اصل مسودہ چونکہ عربی زبان میں ہے جو صاحب موصوف نے بنفس نفیس مصر جا کر بعینہ اسی مقام سے حاصل کیا جس جگہ کی نشاندہی سرکار دو عالم ﷺ نے کی تھی۔ گرامی مرتبت مدنی صاحب جو اس وقت کراچی میں مقیم ہیں کی وساطت سے یہ کتاب پاکستان پہنچی جن کی شب و روز کوششوں سے اسکا ترجمہ اردو زبان میں ہوا۔ گو کہ ترجمہ کرتے وقت اصل کتاب اور زبان کی فصاحت و بلاغت، روانی و دلکشی کو برقرار رکھنا خاصا مشکل کام تھا لیکن جس قدر عربی متن پُرکیف اور پُراثر ہے اُسی قدر اردو ترجمہ بھی لاجواب اور منفرد ہے۔ تاہم جب انگریزی زبان میں ترجمہ کا وقت آیا تو یہ بھاری بھرکم بوجھ مجھ گنہگار بے علم

و عمل شخص کے کمزور و ناتواں کندھوں پر ڈال دیا گیا جس کا بوجھ میرے لئے صرف مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔ لیکن میرا عقیدہ اس بات پر پختہ اور ارادہ قوی ہوچکا تھا کہ جس ہستی نے اس کتاب کا انتخاب فرمایا ہے وہی آئندہ کے معاملات میں بھی ضرور رہنمائی فرمائے گی۔

بحمدِ اللہ! خدائے بزرگ و برتر کے بیشمار احسان و انعام اور آقائے دو جہاں ﷺ کی خصوصی نظرِ عنایت کے طفیل انگریزی زبان میں بھی ترجمہ تکمیل پذیر ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ میں نے تو آقائے نعمت ﷺ کے حکم کی تعمیل میں سرِ تسلیم خم کیا تھا لیکن نوازشوں پہ نوازشیں ہوتی رہیں اور ایک ناممکن کام بامِ عروج تک پہنچا۔ جس کے لئے میں جتنے بھی شکرانے کے نوافل ادا کروں کم ہیں۔ اِس کتاب کے اردو متن کی تصحیح اور حوالہ جات کی تصدیق کے حوالے سے میں پروفیسر الطاف حسن صاحب اور حافظ وقاری خلیل اللہ صاحب کا تہہ دِل سے مشکور ہوں جنہوں نے بیشمار مواقع پر میری رہنمائی فرمائی اور اس کتاب کو غلطیوں سے پاک کرنے کیلئے اپنا خصوصی تعاون فرمایا۔ انہوں نے جس نیک نیتی سے یہ کام کیا اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ انہیں دنیا و آخرت کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے۔

آخر میں اپنی طرف سے بالخصوص اور قارئین کی طرف سے بالعموم محترم قبلہ مدنی صاحب کا ممنون و مشکور ہوں جنہوں نے یہ کتاب پاکستان لاکر ہمیں سعادت کا موقع فراہم کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے درجات میں بلندی اور سرفرازی فرمائے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب پاک صاحب لولاک ﷺ کے وسیلہ سے اس حقیری کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور ہمیں اس نسخہ بے مثال جو مقبول بارگاہِ رسالت مآب ﷺ ہے کہ طفیل حضور ﷺ کی سچی اور حقیقی محبت عطا فرما کر اپنی ماؤں کی خدمت اور فرمانبرداری کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! بجاہ نبی الکریم

آپ کا گنہگار خادم:۔ محمد اصغر

مختصر تعارف: مصنفہ اُم النبی ﷺ

بنت الشاطی (ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن)

عالم عرب میں حقوق نسواں کی اولین بے بدل ادیبہ کا ذکر جمیل جن کی زندگی قرآن کا حسین مرقع تھی۔

ڈاکٹر امین اللہ وثیر

ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن ۱۹۱۳ء میں مصر کے روایتوں میں جکڑے ہوئے ماحول میں پیدا ہوئیں۔ اس وقت گھر کے باہر لڑکیوں کے لیے حصول تعلیم کا کوئی تصور ہی نہیں تھا، مگر انہوں نے شاندار تعلیمی و تحقیقی کامیابیاں حاصل کیں اور جب ۳ دسمبر ۱۹۹۸ء کو قاہرہ میں وفات پائی تو ان کا نام تعلیم، ادب اور صحافت کے میدان میں جگمگا رہا تھا۔ ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن اسلام کے بارے میں نہایت وسیع معلومات رکھنے والی ایک دانشور، فاضل خاتون تھیں۔ انہوں نے ایک سو سے زائد کتابیں اور ادبی شاہپارے اور بے شمار مضامین ومقالات اپنی یادگار چھوڑے۔ وہ ادبی دنیا میں ''بنت الشاطئ'' کے نام سے معروف تھیں۔

بنت الشاطئ کی شخصیت اور زندگی کی تعمیر وآرائش میں تین اہم سرچشمے کام کرتے رہے۔

قرآن حکیم، ان کے والد شیخ محمد عبدالرحمٰن اور ساحل نیل پر واقع ان کا ''مولد دمیاط'' جہاں ان کے اپنے بیان کے مطابق، انہوں نے زندگی کا بہترین حصہ گزارا اور ''بنت الشاطئ'' دختر ساحل کہلائیں۔ وہ ان تینوں منابع سے بے حد متاثر تھیں۔

ڈاکٹر عائشہ کی پرورش اور تعلیم وتربیت اسلامی ماحول میں ہوئی۔ ان کے والد

الکتاب (اسلامی مدرسہ) میں معلم تھے۔ اس عہد کا معاشرہ لڑکیوں کو گھر سے باہر درسگاہ میں بھیجنے کا روادار نہیں تھا، لہٰذا عائشہ کے کسی اسکول میں باقاعدہ داخلے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ چنانچہ انہوں نے بنیادی تعلیم اپنے والد کے قدیمی انداز کے مدرسے ہی میں حاصل کی اور پھر گھر میں رہ کر روایتی تعلیم کے مشکل راستے پر چلتے ہوئے تعلیم، ادب اور صحافت کے میدان میں ناموری پائی۔ اسلامی تعلیمات، قرآن مجید اور اس کی تفسیر، حدیث نبوی اور عربی زبان وادب کا حصول اور بعد میں دین کی نشرواشاعت اور پرچار...... جس کا علم انہوں نے بڑی محنت سے حاصل کیا تھا، ان کی زندگی کا مرکز ومحور بن گئے۔ ستر سال سے زیادہ عرصے تک ڈاکٹر عائشہ کی زندگی قرآن مجید کے گرد گھومتی رہی۔ ان کی زندگی خدمت اسلام کے لیے وقف تھی۔ اس کا بیج کب بویا گیا اور پھر وہ کس طرح ایک تناور درخت بن گیا۔ یہ مسحور کن داستان وہ خود بیان کرتی ہیں:

''ابھی میں دس برس کی عمر کو نہیں پہنچی تھی کہ میں نے اپنے آپ کو دمیاط کے الکوذی گورنمنٹ اسکول میں بیٹھے دیکھا۔ ایک فرشتہ کھڑکی کے پاس آیا۔ ایک سبز رنگ کا تھیلا میرے سپرد کیا اور آسمان کی طرف پرواز کر گیا۔ میں نے تھیلا کھولا تو کیا دیکھتی ہوں کہ اس میں المصحف (قرآن حکیم) کا ایک نسخہ لپٹا ہوا ہے جو میں نے آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میرا ماحول کچھ اس قسم کا رہا ہے کہ میں ہمیشہ خوابوں سے متاثر چلی آتی ہوں۔ آنکھ کھلی تو میں نے محسوس کیا کہ میری زندگی قرآن حکیم سے وابستہ رہے گی...... کہ یہی وہ عطیہ ہے جو میرے لیے خواب میں آسمان سے بھیجا گیا۔''

قرآن مجید کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ڈاکٹر عائشہ نے ۱۹۲۹ء میں طالبات کی تدریس کی سند بطور بیرونی طالبہ حاصل کی اور پہلی پوزیشن کی حقدار ٹھہریں۔ یہ ان کی پرجوش علمی زندگی کی کٹھن گزرگاہ کا پہلا بنیادی پتھر تھا۔ ۱۹۳۴ء میں انہوں نے ثانوی تعلیم کا ادبیاتی

سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔اس وقت ان کی عمر اکیس برس تھی۔ ۱۹۳۹ء میں انہوں نے قاہرہ یونیورسٹی سے عربی ادب میں بی اے کی ڈگری اور دو سال بعد ایم اے ''ادبیات'' کی ڈگری حاصل کی اور ابھی وہ چالیس برس کی نہیں ہوئی تھیں کہ ڈاکٹریٹ کی اعلیٰ سند سے نوازی گئیں۔

تعلیم وتدریس کا آغاز ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن نے جامعہ قاہرہ کے کلیۂ فنون (Faculty of Arts) میں عربی ادب کی ریڈر (ایسوسی ایٹ پروفیسر) کی حیثیت سے کیا اور اس کے بعد مصر اور مصر سے باہر کئی جامعات میں اعلیٰ تدریسی مناصب پر فائز رہیں مثلاً پروفیسر شعبہ عربی عین الشمس یونیورسٹی (۱۹۶۲ء) پروفیسر تفسیر وتعلیمات علیا کلیہ شریعہ جامعہ القرویین مراکش (۱۹۷۰ء) اور پروفیسر ادبیات عربی موصل یونیورسٹی، عراق۔

طویل تدریسی زندگی کے دوران وہ اپنے طبع زاد تحقیقی وعلمی مشاغل کے علاوہ یونیورسٹی کے صدہا طلبہ کے تحقیقی کاموں کی نگرانی بھی کرتی رہیں۔ان کی علمی فضیلت اور تعلیمی میدان میں ان کی شاندار مساعی کو فقط ان کے تلامذہ، رفقاء کار اور تعلیم وصحافت سے تعلق رکھنے والے زعماء ہی نے خراج تحسین پیش نہیں کیا بلکہ اس کی عکاسی اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ انہیں حکومتی سطح پر مصر کا State Award ملک فیصل انعام برائے خدمت اسلام (درجہ اول) اور کویت کا انعام برائے ترقی عطا کیا گیا۔

ڈاکٹر عائشہ کے بارے میں بہت سے مقالات لکھے گئے جن میں ''غیر فانی شخصیات کا مرقع''، ''افکار اسلامی کی ایک بہادر (پہل کار) محقق'' اور ''ایک مصنفہ جس نے قرآن کے سائے میں زندگی گزاری'' جیسے اہم مضامین شامل ہیں۔ان کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اپنے مخصوص تحقیقی میدان...... قرآن، تفسیر اور سنت نبوی ﷺ...... میں ان کا کتنا بلند مقام تھا اور انہیں اہل علم وفضل کے ہاں کس قدر عزت واحترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔

قرآن مجید کی تفسیر میں ان کا طرز نگارش وہ تھا جسے ''خطیبانہ ادبی انداز'' کہا جاتا ہے اور یہ وہی طرز تحریر ہے جو ماضی میں علامہ زمخشری، عبدالقادر الجرجانی او ابن خلدون نے اپنایا۔ ڈاکٹر عائشہ مزید دیدہ ریزی کے ساتھ اس راستے پر گامزن ہوئیں۔اس طرز تحریر میں انسان، قرآن مجید کے ہر عنوان کا مطالعہ تمام متعلقہ آیات کو باہم مربوط انداز میں سامنے رکھ کر کرتا ہے۔ عربی محاورے اور ضرب الامثال سے رہنمائی لیتا اور لسانی رجحانات ومیلانات کی تصریح کرتا ہے۔ مگر وہ اپنی تفسیر قرآن کو تفسیر نہیں کہتی تھیں بلکہ اسکو سمجھنے کا ایک راستہ یاذریعہ قرار دیتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں مخصوص الفاظ کیوں استعمال کیے اور مطالب ومعانی کی وضاحت کے لیے دوسرے الفاظ کو کیوں چھوڑ دیا۔ مثلاً ایسا کیوں ہے کہ اللہ تعالیٰ سورۃ یوسف میں "امرأة العزیز" فرماتا ہے نہ کہ "زوجة العزیز"۔

سنت نبوی ﷺ کے سلسلے میں ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن نے اصطلاحات واقسام حدیث کے بارے میں لکھی گئی عظیم تحقیقی کتاب ''مقدمته ابن الصلاح'' کی جانچ پڑتال کی اور اس کی توضیح وتشریح کا کارنامہ سرانجام دیا۔اس سلسلے کا ایک اور شعبہ علم الجرح والتعدیل بھی ہے۔جس کے ذریعے تقریباً پانچ لاکھ راویان حدیث رسول ﷺ کے حالات زندگی محفوظ کر لیے گئے ہیں۔

''القرآن اور انسانی مسائل'' ڈاکٹر عائشہ کی وہ معرکۃ الآرا کتاب ہے جس کے مطالعے سے ان کی قرآن مجید کے ساتھ گہری عقیدت ومحبت کا اظہار ہوتا ہے۔اس کتاب میں وہ واضح کرتی ہیں کہ قرآن مجید کس طرح انسان یعنی کرہ ارض پر اللہ کے نائب کی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اپنی اس تصنیف میں ڈاکٹر عائشہ نے قیامت کے منکرین اور چاند اور ستاروں پر کمندیں ڈالنے والے، دونوں قسم کے انسانوں کو اپنا مخاطب بنایا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ انسان خلیفۃ اللہ فی الارض ہے اور اللہ تعالیٰ کی نیابت کا فریضہ وہ کائنات کی تمام اشیاء کو

اپنے زیر تسلط لا کر ادا کر رہا ہے، ان اشیاء کا تعلق خود کرہ ارض سے ہو یا خلا میں پھیلی ہوئی مخلوقات سے۔

انہوں نے نبی کریم ﷺ کے اہل بیت پر بھی بہت کچھ لکھا۔ بصیرت افروز انداز میں آنحضور علیہ الصلوۃ والسلام کی والدہ محترمہ، آپ کی ازواج مطہرات، آپ ﷺ کی صاحبزادیوں اور نواسیوں کے بارے میں معلومات جمع کیں اور مستشرقین کے غلط تصورات اور بے بنیاد دعووں کی عالمانہ انداز میں تردید کی۔ اس سلسلے میں ان کی مشہور تصانیف السیدۃ زینب رضی اللہ عنہا اور سکینہ بنت الحسین رضی اللہ عنہا ہیں۔ السیدۃ زینب رضی اللہ عنہا کا انتساب انہوں نے اپنے والد محترم کے نام ان الفاظ میں کیا ہے:

(الاهداء الی فضیلته الاستاذ الشیخ محمد علی عبدالرحمن)

دینی و اسلامی موضوعات کی طرف متوجہ ہونے اور اس میدان میں بلند مرتبہ حاصل کرنے سے پیشتر ڈاکٹر عائشہ نے صحافت میں بھی خاصی شہرت پائی۔ وہ مصر کی اہم خاتون کالم نگار تھیں۔ ان کا کالم مشہور مصری اخبار ''الاہرام'' میں ۱۹۳۶ء سے مسلسل شائع ہوتا رہا اور یہ کسی خاتون دانشور کا اس شہرہ آفاق اخبار میں تحریر کا طویل ترین دور سمجھا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں وہ لکھتی ہیں: ''میں انطونی الجمیل کے دفتر میں بیٹھا کرتی تھی کیونکہ میرے علاوہ ''الاہرام'' میں کوئی دوسری خاتون کارکن موجود نہیں تھی۔ اس عمارت میں مجھے مصری تہذیب وثقافت سے دلچسپی رکھنے والی تمام معروف شخصیات سے ملاقات کا موقع ملا۔ ہر سوموار کو میرا مقالہ شائع ہوتا۔ میں بالعموم کتابوں پر تبصرہ کا فریضہ انجام دیتی مگر آج کل کے مروجہ انداز سے ہٹ کر۔ پبلشر اور مصنف کی بجائے مجھے قاری کا مفاد زیادہ عزیز ہوتا تھا۔''

دمیاط میں ساحل نیل پر زندگی کے ابتدائی ایام کی یاد ان کے دل ودماغ کو ہمیشہ متاثر کرتی رہی۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنا مشہور ناول ''سید الغربۃ'' تحریر کیا جس میں دیہی

زندگی کی عکاسی کرنے کے علاوہ دیہات کی عورتوں اور مردوں کے معاشرتی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان کا دوسرا مشہور ناول ''رجعۃ فرعون'' ہے۔

ڈاکٹر عائشہ کی تمام تحریریں ان کے گہرے دینی جذبے اور مقصد سے خلوص کی آئینہ دار ہیں۔ وہ زندگی بھر حقیقی معرفت کی تلاش اور اس کی نشر واشاعت میں مصروف رہیں، مگر ذاتی طور پر انہیں اپنی ابتدائی تحریریں بہت عزیز تھیں کیونکہ وہ انہیں اپنے بچپن کی یاد دلاتی تھیں۔ جبکہ بعد کی تحریروں میں مسرت وشادمانی کا احساس ملتا ہے کہ وہ ان کی ذہنی بالیدگی کی نشاندہی کرتی تھیں۔

بنت الشاطئی کی چند معروف تصانیف یہ ہیں۔

(۱) القرآن والتفسیر العصری۔ (۲) التفسیری البیانی للقرآن الکریم۔

(۳) الاعجاز البیانی فی القرآن۔ مقال فی الانسان۔ (قرآن مجید کے بارے میں لیکچر۔ انتساب اپنے مرحوم شوہر کے نام ان الفاظ میں کیا ہے:

الاهداء الی امین الخولی، الانسان۔ لغتنا والحیاۃ، الخنساء، (مشہور عرب شاعرہ)۔

الاعجاز البیانی فی القرآن اور لغتنا الحیاۃ کا انتساب بھی اپنے رفقاء کار اور شاگردوں کے علاوہ امین الخولی کے نام ہے۔ ان کی بعض کتابوں کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

بنت الشاطئی کو بہت سے ادبی معرکوں میں حصہ لینے کا موقع ملا جس کی بنا پر انہیں حوصلہ مندی کا جذبہ اور خود اعتمادی نصیب ہوئی اور معاشرے میں ان کو بڑی پذیرائی ملی۔ انہوں نے خواتین کی بے شمار کانفرنسوں اور عورتوں سے متعلق سیاسی مباحثوں میں شرکت کی جہاں وہ عرب دنیا میں عورتوں کے حقوق کا دفاع اور تہذیبی میدان میں ان کے کردار کی اہمیت واضح کرتی رہیں۔

اس طرح وہ ممالک عربیہ میں 'حقوق نسواں' کی صف اول کی رہنما اور عملی کارکن

بن کر ابھریں۔ انھوں نے ۱۹۱۹ء کے انقلاب مصر اور ۱۹۳۶ء میں فلسطین کے موضوع پر منعقدہ کانفرنس میں بھی شرکت کی۔ اس کے باوجود معاصر اصطلاحی معنی میں وہ 'نسواں پرست' (Feminist) نہیں تھیں۔ عورتوں کے حقوق کے بارے میں ان کی تائید وحمایت کا سارا دارومدار اسلامی تعلیمات پر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عورتوں کو دینی تعلیم حاصل کرنے اور احکام دین پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دی۔ وہ بیمار دل ودماغ کے ساتھ اور جاہلانہ انداز میں اسلام کو مرکز بنانے کی سخت مخالفت تھیں۔

ڈاکٹر عائشہ خانگی زندگی کے تقدس کی علمبردار تھی اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے گھریلو معاملات اور اہل خانہ کی حفاظت وسلامتی کے بارے میں بڑی حساس تھیں۔ اپنے والدین کی اطاعت شعار بیٹی، اپنے خاوند شیخ امین الخولی سے محبت رکھنے والی باادب بیوی اور اپنے تین بچوں کی مشفق ومہربان ماں تھیں۔ اپنی کتاب مقدمۃ ابن الصلاح کے دوسرے ایڈیشن میں انہوں نے اپنے والد محترم کو زبردست الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا اور اسلامی علوم کے مطالعے کے سلسلے میں انہیں اپنا رہنما اور سرچشمہ فیضان قرار دیا۔ وہ کہتی تھیں کہ 'انہوں نے میری فطرت کو مسخ وتحریف سے بچالیا۔'

ڈاکٹر عائشہ کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر اسماعیل عبدالرحمٰن کا کہنا ہے کہ وہ ان لوگوں سے اظہار بیزاری کرتی تھی جو مطلوبہ علم اور اہلیت وقابلیت کے بغیر قرآن کی تشریح وتوضیح یا تفسیر کرنے کی سعی کرتے یا بلاحجت ودلیل کلام الٰہی کے متعلق الجھتے ہیں۔

زندگی بھر علم ودانش کی جستجو میں رہنے کے بعد ان کا تجربہ یہ تھا کہ مدارس وجامعات میں داخلہ لینے کے باوجود لوگ مطالعہ کا شوق نہیں رکھتے۔ انہیں تعجب ہوتا کہ کتب خانہ ہر گھر کا لازمی حصہ کیوں نہیں ہوتا۔ انہیں اس امر پر بھی افسوس ہوتا کہ نوجوان نسل کے لیے قابل مطالعہ مواد کی مارکیٹ میں بے حد کمی ہے۔ انہوں نے وصیت میں لکھ دیا تھا کہ ان کا ذاتی

کتب خانہ جامعہ ازہر کی ملکیت ہوگا۔

''بنت الشاطئ''...... عائشہ عبدالرحمٰن کے جنازے میں ہزار ہا لوگوں نے شرکت کی جن میں مصر کے وزیر اعظم اور شیخ الازہر کے علاوہ بے شمار صاحبان علم وفضل، دانشور اور تعلیم وتعلم سے وابستہ افراد، شعراء وادباء، ذرائع ابلاغ اور زندگی کے دوسرے شعبوں سے متعلقہ شخصیات شامل تھیں۔

رحمھا اللہ

مناجات

اے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا!

جب میں نے آپ کے لخت جگر پر نازل ہونے والی آسمانی وحی اور اس کا آپ کے بیٹے کی بشریت کے بارے میں کلام

"قُلْ اِنَّمَآ اَنَابَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" (۱)

(آپ فرمائیے میں بظاہر تمہاری مانند انسان ہی ہوں) اور

"قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا" (۲)

(آپ ﷺ فرمادیں میرا رب پاک ہے میں کون ہوں مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا)

تلاوت کیا تو مجھے یاد آیا کہ ہمارے نبی مصطفیٰ کریم ﷺ ہی وہ انسان ہیں جنہیں آپ نے اپنے شکم اقدس میں اٹھایا اور پھر انہیں اسی طرح جنم دیا جس طرح بشر انسانی کی ہر عورت دیتی ہے اور جب میں نے آپ کے نور نظر کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وما ارسلنا من قبلك الا رجالا......" (۳) (ہم نے رسول بنا کر نہیں بھیجے مگر آدمی......)

پر غور وخوض کیا تو پتا چلا کہ ان رہبر رسولوں کی اصل تو مائیں ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ عورت ہی ہے۔ جس نے ہر دور میں بڑے بڑے رجال کار کو جنم دیا یہ عورت ہی ہے جس نے عیسیٰ بن مریم علیہا السلام جیسی ہستی کو جنم دیا جو اللہ کا وہ کلمہ ہیں جسے اس نے اپنی ایک عفت مآب اور برگزیدہ بندی کو القاء کیا۔ اور یہ عورت ہی ہے جس نے خاتم النبیین ﷺ کو جنم دیا۔ یہ آپ کے ہی اکلوتے لخت جگر کی صدائے دلنواز صدیوں سے گونج رہی ہے۔

"میں ایک قریشی عورت کا فرزند ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔"

آپ کے اس فرمان نے بڑے بڑے بادشاہوں اور شہنشاہوں کے غرور وتکبر کو مٹی

۱ سورۃ کہف ۱۱۰ ۲ سورۃ الاسراء ۹۳ ۳ سورۃ یوسف ۱۰۹

میں ملا دیا۔ اور آپ کی مامتا کو اس بلندی پر پہنچا دیا کہ کوئی ثروت وامارت اور جاہ ومرتبہ اسکا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اے سنجیدہ وحمیدہ خصال، متواضع اور رحمت وشفقت وطہارت کی پیکر ماں! انہوں نے آپ کو انسانیت کا مصدر، انسانیت کی روح، محبت کی نشانی اور اپنی سربلندی وعظمت کا مرکز قرار دیا ہے۔

اے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا!

یہ ممتا کی عظمت اور بزرگی ہی ہے جس نے ازل سے لیکر ابد تک اپنی جان نثار کرنے والی اور تاریخ بنانے والی ماؤں کو یادگار بنادیا ہے اور آپ کے اکلوتے اور لاڈلے نور نظر نے آپ کے سر اقدس پر اس ازلی بزرگی کا آسمانی تاج سجادیا تھا۔ جب انہوں نے فرمایا۔ **الجنت تحت اقدام الأمهات** (جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے)

یہ ارشاد ہمیشہ کے لئے نسوانیت کا فخر ہے۔ جس نے اس کائنات میں وجود کے راز کی حفاظت کی، دنیا میں حیات انسانی کو محفوظ کیا اور تکلیف پر تکلیف برداشت کر کے نسل انسانی کو بڑھایا۔ اس وقت آپ کے لخت جگر کا دل کس قسم کے احساس سے لبریز ہوگا جب کسی نے آپ ﷺ سے پوچھا۔ لوگوں میں سب سے زیادہ میں کس کی عزت وتکریم کروں، اس کا کون حقدار ہے؟ آپ ﷺ نے جواباً تین مرتبہ فرمایا تمہاری ماں اور چوتھی مرتبہ فرمایا تمہارا باپ۔ آپ ﷺ کا ایک صحابی اللہ کی راہ میں جہاد کی اجازت طلب کرنے آیا۔ جب معلوم ہوا کہ اس کی والدہ زندہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ خدا تیرا بھلا کرے اس کے پاؤں کو لازم پکڑو، وہیں جنت ہے۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا!

آج میں آپ کی مامتا کی عظمت اور نسوانیت کی عزت کے متعلق گفتگو کرنے لگی ہوں۔ آج میں ماؤں کی اس سردار کے متعلق لکھنے لگی ہوں جس نے انسانیت کو اپنا وہ دُرِّ یکتا

عطا کیا۔ جس کی شان وشوکت کے علم روئے زمین پر لاکھوں نفوس نے ہر دور میں اٹھائے اور اٹھاتے رہیں گے۔ ایسا یتیم، جس پر اس کے آباؤاجداد کو بڑا فخر ہے۔

جہانِ فقر کا بادشاہ، جس کے نام پر مساکین زندہ تھے اور خیراتیں تقسیم ہوتی تھیں۔

اے سیدہ رضی اللہ عنہا!

کیا آپ کو یہ عظمت حاصل ہوتی اگر آپ صاحب تاج ملکہ ہوتیں، شاہسوار ہوتیں یا زیرک عالمہ ہوتیں یا عظیم لیڈر ہوتیں اور محمد رسول ﷺ کو جنم نہ دیتیں۔ اس سے بڑھ کر آپ کا کونسا عمل آپ کی عظمت وبزرگی کا باعث بنتا کہ آپ کو حضرت محمد ﷺ کی والدہ ماجدہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

میں آپ رضی اللہ عنہا کی سیرت طیبہ کے سامنے سر جھکائے کھڑی ہوں۔ آپ کی ممتا کی نورافشاں کرنیں آپ کی سیرت کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہیں۔ ممکن تھا کہ آپ رضی اللہ عنہا کی عظمت مجھے آپ رضی اللہ عنہا کی سیرت کی طرف دیکھنے اور اس کے متعلق گفتگو کرنے سے روک دیتی۔ اگر مجھے یہ یاد کر کے حوصلہ نہ ہوتا کہ آپ رضی اللہ عنہا حضرت محمد مصطفی ﷺ کی والدہ ماجدہ ہیں جس نے بشر اور رسول ﷺ ہونے کے باوصف بشریت کو عزت بخشی اس نے ہمیں آپ ﷺ کی عظمت کی نشانی اور آپ ﷺ کے لازوال ہونے کے راز کے بارے میں متوجہ کیا۔

بحث اول

- ☆ سیرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اور اس کے مراجع
- ☆ نسوانیت اور ممتا
- ☆ امہات الانبیاء علیہم السلام وعلیہن

سیرت سیّدہ آمنہ ؓ اور اس کے مراجع

میں نے جب سیدہ آمنہ کی سیرت کا مطالعہ شروع کیا تو مجھے اس حقیقت سے کامل آگاہی تھی کہ آپ ؓ کی سیرت کے متعلق روایت اور مراجع بہت کم ہیں۔ پھر میں نے سوچا، میں نے تو اس رسول عظیم ﷺ کی والدہ اور نبی مصطفیٰ ﷺ کی ماں کے متعلق گفتگو کرنی ہے جو اپنی حیات طیبہ کے اعتبار سے اپنی قوم کا خلاصہ اور جوہر ہیں۔ اس لئے میں نے سیدہ آمنہ ؓ کے خدوخال ان کے اس عظیم بیٹے کی حسین صورت میں تلاش کرنے شروع کر دیئے جسے ان ؓ کے بطن اقدس نے پناہ دی، خون ناب نے غذا دی اور جس سے آپ ﷺ کی زندگی ان سے پیوست ہوگئی۔ حضرت محمد ﷺ ان کی وہ نشانی ہیں جو وہ پیچھے چھوڑ گئیں۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ میں سیدہ آمنہ ؓ کو اس نشانی کی روشنی میں دیکھوں اور ان ؓ کی حیات مقدسہ کو سمجھنے کیلئے ان کے عظیم بیٹے کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کروں۔

سیدہ آمنہ ؓ بنت وَہب کی سیرت کے لئے ان کے لخت جگر کی شخصیت ایک اہم مصدر ہے۔ جس سے ہم ان کی زندگی کو سمجھنے کے لئے مدد لے سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے نبی پاک ﷺ کی ذات میں ایک واضح اثر چھوڑا تھا۔ انہوں نے اپنی معزز قوم کے اس خون کو آپ ﷺ کی طرف منتقل کیا تھا جو نسل در نسل ان کے صلبوں میں منتقل ہوتا آرہا تھا اور آپ ﷺ کو وہ خاندانی خصائص عطا فرمائے تھے جن سے منسوب ہونے پر نبی کریم ﷺ فخر فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

”اللہ تعالیٰ نے مجھے بنی کنانہ سے منتخب فرمایا ہے اور قریش سے بنو کنانہ کو پسند فرمایا اور تمام عرب سے قریش کو چنا گویا یہ خیر سے خیر کا انتخاب اور چناؤ ہے۔“

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”میں بنی سلیم کی کریم عورت کا فرزند ہوں“

اس مرجع کے ساتھ ساتھ سیدہ آمنہ ؓ کے آباؤ اجداد کے متعلق وہ روایات بھی موجود تھیں، جنہیں تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کیا ہوا ہے۔ اور جس ماحول میں وہ پروان چڑھیں، اس ماحول کے آثار وعلامات بھی تاریخ میں محفوظ ہیں۔ اور اس وقت کی مامتا اور نسوانیت کی وہ صورت بھی موجود ہے جو ان کی قوم میں معروف تھی۔ اور پھر اسباب کے باہمی ربط اور نسب ووراثت کے تناسب پر علمی اعتماد بھی ہے۔ یہ تمام امور سیدہ آمنہ ؓ کی شخصیت کو اس طرح آشکار کر دیتے ہیں، جس طرح آپ ؓ کو اپنے زمانہ کی دنیا جانتی تھی۔ جس طرح ان کے ماحول، فضا اور حال نے انہیں ڈھالا تھا۔

اس لئے کہ سیدہ آمنہ ؓ اس ماحول کی عطا تھیں۔ ان کی رگوں میں بھی خاندانی خون گردش کرتا تھا ان کی زندگی میں ان عوامل کا بھی گہرا دخل ہے جنہوں نے کے اردگرد کے ماحول میں گہری چھاپ چھوڑی۔ اس لئے ایک محقق ان کی ان حقیقی جڑوں کو تلاش کرسکتا ہے جو ان کے وطن اور خاندان کی گہرائیوں میں پھیلی ہوئیں تھیں۔ وہ ان کے خدوخال اور وعادات اس فضا میں بھی تلاش کرسکتا ہے۔ جس میں وہ سانس لیتی رہیں اور اس ماحول میں بھی تلاش کرسکتا ہے جس میں انہوں نے اپنی زندگی گزاری اور یہ محقق ان کثیر واقعات کی بہترین وضاحت کرسکتا ہے جنہیں بعض لوگ خلاف عقل قرار دیتے ہیں۔ وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ وہ اُس رسول کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ ہیں کہ جنہیں جس رسالت کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے اس رسالت کے اصولوں میں سے ایک اصول رسولوں کی بشریت کو تسلیم کرنا ہے آپ ﷺ اس چیز کو پسند نہیں کرتے کہ آپ ﷺ کی والدہ اس بشریت سے بالاتر ہوں، اور نہ آپ ﷺ کو یہ چیز پسند ہے کہ آپ ﷺ کی والدہ کی طرف ایسی چیز منسوب کی جائے جو اللہ تعالیٰ کی اس سنت اور طریقہ کے خلاف ہو جس پر اس نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا، اور نہ ہی ان کی شخصیت کو اتنا رنگین بنا دیا جائے جس سے ایسا معلوم ہو کہ ان کا بیٹا عام خاندانی

ماحول میں پل کر جوان نہیں ہوا، کسی مافوق الفطرت خاندان میں پروان چڑھا ہے۔

جب میں نے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے آباؤاجداد اور ان کے اردگرد کے آثار واحوال پرغوروفکر کرنا شروع کیا تو مجھے بہت سی ایسی روایات بھی ملیں جن کا تعلق پہلی قسم سے نہ تھا۔ یہ ایسی روایات ہیں جن کی طرف اکثر محققین توجہ نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک یہ روایات موضوع ہیں اور تصوراتی دنیا سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن انہوں نے اس چیز میں غوروفکر نہ کیا کہ یہ اس دور کی معاشرتی زندگی پر بھی دلالت کرتی ہیں جس کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ یہ محقق کو ایسی روشنی مہیا کرتی ہیں جس سے وہ مادی تاریخ کے پیچھے کی نفسیات دیکھ سکتا ہے اور یہ اس خلا کو بھی پُر کرتی ہیں جو اس معاشرہ کے مزاج کو سمجھنے کے لئے دوسری روایات چھوڑ جاتی ہیں۔ یہ روایات ہمارے لئے وہ لوگ اثاثے کے طور پر چھوڑ گئے ہیں جنہیں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی ذات میں کمال مطلق کی صورت نظر آئی، انہوں نے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے متعلق گفتگو کی ہے وہ ان کے دِلوں کی پاکیزگی اور ان کے وجدان کے یقین کی مظہر ہے۔ اس میں نہ انہوں نے کذب بیانی اور دروغ گوئی کی ہے اور نہ دھوکہ بازی اور خیانت کی ہے۔

دوسرے اہل علم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اصول تحقیق اس قسم کی روایات سے استدلال کی اجازت نہیں دیتے۔ یہ لوگ دنیائے وجدان اور عالم قلوب سے دور ہوتے ہیں۔ محبت وایمان کے افق تک ان کی رسائی نہیں ہوتی۔ ٹھیک ہے وہ اپنی ڈگر پر رہیں، ہم اپنی راہ پر چلتے ہیں۔ بہرحال جو یہاں بیان کیا جاتا ہے وہ عقل اور حقیقت کے پیمانے پر مبنی ہوتا ہے اور جو وہاں بیان کیا جاتا ہے وہ ایمان اور پاکیزہ جذبات کی زبان سے نکلتا ہے اسی طرح جب علم اور فن آپس میں ملتے ہیں تو وہ کسی حقیقت سے تجاوز نہیں کرتے نہ ہی صحیح بات کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان دونوں پر جھوٹ کا الزام نہیں لگایا جاسکتا۔ کیونکہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے متعلق گفتگو کرنے والا محقق ان کے اصول وفروع پر اثر پذیر ہونے والے اسباب میں غوروفکر کرکے، ان

کے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لے کر جو بات کہتا ہے وہ بھی حق ہے اور بیان کرنے والا سچا ہے اس پر کوئی الزام نہیں لگایا جاسکتا اسی طرح کوئی محبِ صادق، مومن کامل ان کے بارے میں اپنے وجدان سے کوئی بات کہتا ہے اور اس کے ذریعہ ان کی عظمت کو بیان کرتا ہے جسے وہ محسوس کرتا ہے اور اس کے دِل میں ان کی حقیقت اور جوہر کا جو نقشہ آتا ہے، اسے بیان کرتا ہے تو وہ بھی سچا ہے۔ اس نے تاریخی حقائق کو نہیں بگاڑا کیونکہ وہ ایک مؤرخ نہیں ہے بلکہ وہ تو اپنے دِل کی دنیا کی بات کرتا ہے اور اپنے عالم وجدان کی تعبیر کرتا ہے۔ کیونکہ وہ تو اس عظمت کو بیان کرتا ہے جس کے سامنے اس کی نگاہیں حیران ہیں۔ وہ اس بہادری اور شجاعت کو بیان کرتا ہے جس پر وہ فریفتہ ہے۔ اس کی بصیرت حسن وجمال کو دیکھ کر متاثر ہوتی ہے وہ اس کی رعنائیوں کے بارے میں اپنے احساسات کو بیان کرتا ہے۔ یہ اس کی اپنی دنیا ہے جس میں وہ لوگ شریک نہیں ہوسکتے جو اس کے راہرو نہ ہوں اور نہ ہی انہیں عالم وجدان کے آفاق تک عروج کی توفیق حاصل ہوتی ہے یہ آفاق بڑے وسیع وعریض اور دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔

اپنے خیال کے مطابق، میں نے اپنی اس گفتگو سے اپنے موقف کی تمہید باندھ دی ہے اور میں نے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے متعلق موجود معلومات پر پوری توجہ دی ہے۔ میں نے صرف تاریخی طور پر ثابت شدہ روایت پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان سے زیادہ ان روایات پر زیادہ توجہ دی ہے جنہیں کوئی محقق علم کی آنکھ سے پڑھے تو خاموش ہوجائے۔ اور اگر کوئی مؤرخ تحقیق کے کان سے سنے تو اُکتا جائے۔ کیونکہ جس عالم میں وہ بس رہا ہے اس نے اسے دوسرے عالم بھلا دیئے ہیں۔ انہوں نے اُمّ رسول ﷺ کی شخصیت کا وہ نقشہ کھینچا ہے جیسا ان سے محبت کرنے والے دِلوں کی منشاء ہے، جیسے حسین روحانی خوابوں نے ان کے سامنے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی صورت کی تصویر کشی کی ہو۔ اس طرح انہوں نے ہمارے سامنے

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی وہ تصویر پیش کی ہے جو ان کے دِلوں میں تھی اور انہوں نے اس طرح ان کی زندگی کی ایک حقیقت اور وجدانی تصویر عطا فرمائی ہے، جس طرح انہوں نے سمجھا تھا۔

میرے خیال میں وہ مورخ جس نے اپنی زندگی تاریخ کے لئے وقف کر رکھی ہے وہ بھی سیدہ آمنہ کی زندگی کو ان چیزوں سے علیحدہ نہیں کرسکتا اور نہ وہ لوگ کامل طور پر سیدہ آمنہ کی شخصیت کو سمجھ سکتے ہیں جب تک وہ یہ جان نہ لیں کہ ان کے زمانے کی نگاہ میں ان کی کیا قدر اور مقام تھا اور ان کی نسل سے تعلق رکھنے والوں کے ذہن میں ان کی کیا تصویر تھی اور پھر یہ تصویر صدیوں سے نسل در نسل منتقل ہوتی رہی سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی ازدواجی زندگی میں ان کے حمل، وضع حمل کے متعلق روایات، جنہیں بعض محدثین پچھلے لوگوں کے قصے شمار کرتے ہیں۔ ایک مورخ کے لئے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کی وہ تصویر پیش کرتی ہیں جو ان کے زمانہ کے لوگوں کے دِلوں پر نقش اور بعد میں آنے والے لوگوں کے خیالوں میں مرتسم ہے۔ اس تصویر سے ہی مؤرخ کو معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے سیدہ آمنہ کی زندگی کے عناصر کی تفسیر کیسے بیان کی اور ان کی شخصیت کا نفسیاتی تجزیہ کیسے کیا۔ ظاہر ہے مورخ جو حقیقی تاریخ سمجھنا چاہتا ہے وہ ان چیزوں سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

قاری کو ذہنی طور پر تیار کرنے کے بعد میرا خیال ہے کہ میرے لئے یہ آسان ہوگیا ہے کہ میں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا بنت وہب کی سیرت کے فہم میں اپنا اسلوب تحقیق بیان کروں۔ میں نے سب سے پہلے ان کے گھر اور اردگرد کے ماحول کا مطالعہ شروع کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ بیت اللہ کی قدیم تاریخ، عرب زندگی کے عام خدوخال اور اس دور کی عورت کی زندگی کے بارے میں جانچ پرکھ کی۔ اس طرح میں نے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کے حوالہ سے تاریخی حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سیرت میں جس دوسری چیز کی طرف میں نے توجہ دی ہے۔ اس کو محققین اور خصوصاً مستشرقین اساطیر اور قصص کا نام دیتے ہیں۔ بہرحال مجھے

ان اساطیر اور قصص میں تاریخی واقعات کی وہ صورت نظر آئی ہے جو ان لوگوں کے دِلوں میں نقش تھی جو اس ماحول سے تعلق رکھتے تھے جس میں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے زندگی گزاری ہے یا ان سے کوئی رشتہ تھا۔ تاریخی واقعات کی یہ عقلی توضیح سیدہ آمنہ کی شخصیت سمجھنے کے لئے بڑی معاون ہے۔ اس سے ان کی زندگی کے خدوخال واضح ہوئے اور ان کے آثار واحوال کو سمجھنا آسان ہوگیا اسی طرح مورخین نے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے جن خوابوں کو روایت کیا ہے، ان کی خواہشات اور آرزوؤں کی تصویر کشی کی ہے اور ان کی مامتا اور زندگی کو بیان کیا ہے وہ بھی اس سلسلہ میں ممد ومعاون ہیں۔ صحیح تاریخ کے یہی بنیادی عناصر ہیں اگرچہ میں نے کبھی کبھی تصوراتی رنگ اور قصہ گوئی کے انداز کو بھی اختیار کیا ہے۔ میرے خیال میں میرا یہ اسلوب حقیقت سے کسی طور پر بعید نہیں، بلکہ یہ اسلوب اہل علم کی نظر میں اس اشراقی طریقہ تحقیق کے ساتھ وابستہ ہے جس سے تاریخ تشریح مستغنی نہیں ہوسکتی۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ ہم حیات انسانی کو اس کے وجدان سے عاری کردیں اور اسے ایک جامد مادہ قرار دیں جو بصیرت کا اندھا، دِل کا بہرہ اور جذبات اور ضمیر سے خالی ہو۔

نسوانیت اور مامتا

"میں بنی سلیم کی کریم عورت کا بیٹا ہوں"

قبل اس کے کہ میں ان عظیم تاریخ ساز ہستیوں کا تذکرہ کروں، سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے دور میں جزیرۂ عرب میں ان کے مقام کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ہماری تاریخ میں مشہور یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عورت مرد کی عیش وعشرت کا سامان تھی اور ظلم واستبداد کا شکار تھی۔ اسلام نے آ کر انہیں نجات دی مگر اس کے ساتھ ساتھ تاریخ میں بہت سی ایسی روایات بھی ملتی ہیں جو زمانہ جاہلیت میں عرب عورتوں کے مقام ومرتبہ اور ناقابل فراموش کارناموں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ یہ روایات وہ شہرت حاصل نہ کر پائیں جو شہرت اُن روایات نے حاصل کی جس میں بچیوں کو زندہ در گور کرنے، باپ کے مرنے کے بعد ماں کو دوسرے مال ومتاع کی طرح ورثہ بنانے اور بہت سی ایسی رسوم اور عادات، جن سے عورت کی ذلت اور رسوائی عیاں ہوتی ہے، کا بیان ہے۔

میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میں عرب عورتوں کے ساتھ کوئی انصاف کرسکوں گی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے قدیم مورخین نے ان روایات کا ذکر کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا جن میں دور جاہلیت کی عورت کے محاسن کا تذکرہ ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ ان روایات میں سے چند کو منتخب کرکے آپ کے سامنے پیش کروں تا کہ زمانہ جاہلیت کی عورتوں کے بارے میں ہمارا جو غلط تصور ہے وہ صحیح، درست ثابت ہو جائے۔ جن روایات میں عورت کی مظلومیت اور اس پر جبر واستبداد کا ذکر ہے ان کے ساتھ ساتھ ان روایات کو بھی لاؤں جن میں ان کی عظمت، مقام اور عزت وحرمت کا بیان ہے۔ جس کی حفاظت کے لئے عربوں نے خون کی ندیاں بہادیں اور سینکڑوں جانوں کے نذرانے پیش کئے۔

میرا مقصد ان روایات کو بیان کرنا ہے جن کا تعلق کسی نہ کسی لحاظ سے عورت کی مامتا سے ہے تا کہ اس کے ذریعہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی اس فضیلت پر روشنی پڑے جو آپ کو رسول ﷺ کی ولادت باسعادت کی وجہ سے عطا ہوئی۔ اور آپ کا اپنے اس عظیم فرزند کی تربیت کرنے کا انداز بھی معلوم ہو جس کی وجہ سے وہ (حضور ﷺ) اپنی ماؤں پر فخر کرتے ہوئے بانگ دہل فرمایا کرتے تھے۔ **انا ابن العواتك من بنی سلیم**

ہمارے خیال کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ دور جاہلیت کے عرب اعلیٰ نسب اور ارحام واصول کی پاکیزگی کے بڑے حریص تھے۔ زمانہ جاہلیت کے مشہور دانشور اکثم بن صیفی کا قول ہے!

عورتوں کا ظاہری حسن وجمال تمہارے نسب کو مکدر نہ کردے

کریم عورتوں سے نکاح ہی عزت وشرف کا زینہ ہے۔ بقول شاعر۔

پانی کی خرابی کی وجہ اس کی مٹی کا خراب ہونا ہے۔

اور کسی قوم کی خرابی کی وجہ اس کی عورتوں کا بدفطرت ہونا ہے۔ (۱)

ابوالعمرو بن علاء رحمۃ اللہ علیہ جن کا شمار سبعہ قراء اور ثقہ روایوں میں ہوتا ہے۔ نقل کرتے ہیں۔

کسی عرب نے کہا میں کسی عورت سے اس وقت تک نکاح نہیں کرونگا جب تک میں اس سے اپنے بچے کو نہ دیکھوں۔ اس سے پوچھا گیا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ اس نے جواب دیا میں اس کی ماں اور باپ کو دیکھوں گا۔ کیونکہ اولاد ان میں سے کسی ایک کے مشابہ ہوتی ہے۔ ایک عربی نے اپنے بیٹے سے کہا میں نے تم پر تمہارے بچپن اور لڑکپن میں احسان کیا بلکہ اس وقت بھی احسان کیا جب تم ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ اس نے پوچھا آپ نے ہم پر ہماری پیدائش سے پہلے کیسے احسان کیا؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں نے تمہارے لئے

۱ ابن قطبیہ: عیوان الاخبار ۳/۴

اس عورت کا انتخاب کیا جس کی وجہ سے تم پر کوئی انگشت نمائی نہیں کرسکتا۔ مشہور شاعر ریاشی نے بھی اپنے بیٹوں کو یہی احسان یاد دلاتے ہوئے کہا ''میرا تم پر سب سے پہلا احسان یہ ہے کہ میں نے ایک پاک دامن اور عظیم حسب نسب والی عورت کا انتخاب کیا''

چونکہ وہ لوگ پاکیزہ نسب پر بڑے حریص تھے۔ اس لئے ان کی عورتیں قید ہونے کو ناپسند کرتی تھیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب فاطمہ بنت خرشب کو قید کیا گیا تو اس نے ہودج سے چھلانگ لگا کر اپنی عصمت کو بچایا اور اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ مرتے دم یہ ضرب المثل اس کی زبان پر جاری تھی۔ المنیة ولا الدنیة (ذلت سے موت بہتر ہے)

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ کوئی شخص قیدی عورت سے شادی کرلیتا اس کو دل سے چاہتا اور اسے اپنی قوم میں بہترین مقام اور عزت سے نوازتا۔ اس حسن سلوک کے باوجود اس کے قیدی ہونے کا داغ دور نہ ہوتا۔ اس سلسلہ میں ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ کسی عربی نے ایک عورت کو قید کر کے اس کے ساتھ نکاح کرلیا۔ شادی کے بعد اس عورت کے ہاں سات بچے ہوئے۔ ایک دن وہ اپنے خاوند کو کہنے لگی کہ مجھے میرے اہل قبیلہ کے پاس لے چلو تا کہ مجھ سے یہ اسیری کی ذلت ختم ہوجائے۔ وہ اسے اس کے قبیلہ میں لے گیا۔ بعد میں عورت نے اپنے خاوند کے ساتھ شدید محبت کے باوجود اپنے قبیلہ کو چھوڑنے سے انکار کردیا۔ یہی سلوک سلمٰی غفاریہ نے اپنے خاوند عروہ بن ورد عبسی کے ساتھ کیا جس کا شمار جاہلی دور کے بہادر شعراء میں ہوتا ہے۔ عروہ بن ورد نے کسی جنگ میں سلمٰی کو قید کیا۔ سلمٰی حسن و جمال کا پیکر تھی اسے آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح کرلیا۔ سلمٰی دس سال سے زائد عرصہ تک اس کے پاس رہی اس دوران اس کے ہاں کئی بچے پیدا ہوئے۔ اور اس کے دل میں اپنے شوہر کا بڑا مقام تھا۔ عروہ بھی اس سے بڑی محبت کرتا تھا اور اس کی عزت وتکریم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتا۔ لیکن یہ سب کچھ اس کے دامن پر لگے اسیری کے داغ کو نہ دھوسکا۔ ایک

دن اپنے خاوند کو کہنے لگی تیری اولاد کو لوگ میری وجہ سے عار دلاتے ہیں اور انہیں ایک قیدی کی اولاد کہتے ہیں۔ وہ کہنے لگا تمہاری اس کے بارے میں کیا رائے ہے۔ اس نے کہا کہ اس کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ تم مجھے میری قوم کو واپس لوٹا دو تا کہ وہ خود مجھے تمہارے سپرد کردیں عروہ نے اس کی یہ تجویز مان لی۔ اسے یقین تھا کہ اس کی بیوی اس کے ساتھ مطمئن اور خوش ہے۔ اور اس کے ساتھ زندگی گزارنے کی خواہش رکھتی ہے۔ وہ اس کو اپنے ساتھ لے کر وہاں سے چلا۔ پہلے حج کیا کیونکہ اب وہ مسلمان ہوچکا تھا۔ لیکن اسے شرف صحابیت نصیب نہیں ہوا تھا۔ پھر سلمٰی کو اس کے قبیلہ میں لے گیا انہوں نے اسے بہلا پھسلا کر شراب پلادی۔ حتیٰ کہ نشہ کی حالت میں اس نے سلمٰی کو اپنے قبیلہ میں رہنے یا نہ رہنے کا اختیار دے دیا۔ سلمٰی نے اپنے قبیلہ میں رہنے کو پسند کیا اور کہنے لگی اے عروہ! اگرچہ میں تجھ سے جدا ہورہی ہوں لیکن میں تیرے بارے میں حق بات کہوں گی۔ بخدا! مجھے معلوم نہیں کہ عرب میں کسی عورت کا تجھ سے بہتر شرم وحیا کا پیکر، سخی اور غیور شوہر ہو لیکن میں جتنا عرصہ بھی تیرے پاس رہی اس میں مجھے موت زندگی سے عزیز رہی کیونکہ میں یہ نہیں چاہتی تھی کہ تیری قوم کی کوئی عورت یہ کہے کہ عروہ کی کنیز اس طرح کی ہے۔ بخدا! میں آج کے بعد تیرے قبیلے کی کسی عورت کا منہ دیکھنا نہیں چاہتی۔ اب تم خیریت سے اپنے بچوں کے پاس جاؤ اور ان کی اچھی طرح نگہداشت کرو۔

آخر کار وہ اسے وہاں چھوڑ کر پریشان حال واپس لوٹا۔ اور اپنا مشہور قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ ہے۔

''تم نے مجھے شراب پلائی پھر اے اللہ کے دشمنو! تم نے مجھے جھوٹ کے جال میں پھنسا لیا'' میرے علم کے مطابق اقوام میں کوئی ایسی قوم نہیں گزری۔ جس نے عربوں سے بڑھ کر ماتا کو عزت اور عظمت دی ہو(۱)

۱۔ انسب قریش ص:۸۰

مُبرد نے اپنی کتاب ''کامل'' میں سلیک بن سلکہ کے کچھ اشعار نقل کئے ہیں۔ ان اشعار میں اس نے لونڈیوں کی خستہ حالی اور بے بسی پر اپنے اضطراب اور ملال کا اظہار کیا ہے اس کے ساتھ ساتھ وہ اس بات کا اظہار بھی کرتا ہے کہ وہ تنگدست ہے وگرنہ وہ فدیہ دے کر ان تمام لونڈیوں کو آزاد کرالیتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی اپنی ماں بھی ایک حبشی لونڈی تھی۔ وہ کہتا ہے۔

مجھے اس بات نے بوڑھا کر دیا ہے کہ میں ہر روز اپنی خالہ کو دو کجاووں کے درمیان دیکھتا ہوں ان پر ظلم وستم مجھ پر گراں گزرتا ہے اور میرا حال ان کو چھڑانے سے عاجز ہے۔(۲)

تاریخ میں کئی ایسی معزز اور مکرم ماؤں کا تذکرہ ملتا ہے جن کے غیور بیٹوں نے جان کی بازی لگا کر اپنی ماؤں کی عزت وناموس اور مامتا کی حفاظت کی۔ ہم ان میں سے صرف ایک ہی واقعہ نقل کرنے پر اکتفا کریں گے۔ صاحب الاغانی ابوعمر والاصبہانی نقل کرتے ہیں۔

ایک دن حیرہ کے بادشاہ عمرو بن ہند نے اپنے ہم نشینوں سے پوچھا کیا تم اہل عرب میں سے کسی ایسے شخص کو جانتے ہو کہ جس کی ماں میری ماں کی خدمت کرنے کو ناپسند کرتی ہو۔ انہوں نے کہا ہاں یہ عُروہ بن کلثوم کی ماں ہے۔ اس نے پوچھا اس کی وجہ کیا ہے۔

انہوں نے بتایا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا باپ مہلہل بن ربیعہ ہے۔ اس کا چچا کلیب وائل ہے جو تمام اہل عرب میں معزز ہیں اس کا خاوند کلثوم بن مالک ہے جو عرب شہسواروں کا سردار ہے۔ اس کا بیٹا عمرو بن کلثوم ہے جو اپنی قوم کا سردار اور اپنی فوج کا سالار اعلیٰ ہے۔ یہ بات سن کر عمرو بن ہند نے عمرو بن کلثوم کو پیغام بھیجا کہ وہ اس کی ملاقات کے لئے آئے اور یہ بھی مطالبہ کیا کہ اپنی ماں کو بھی ساتھ لے کر آئے تاکہ میری ماں سے اس کی ملاقات ہو جائے۔ عمرو بن کلثوم بنو تغلب کے شہسواروں کی جماعت لے کر جزیرہ عرب سے

چلا اس کی ماں لیلیٰ بھی اس کے ساتھ تھی۔ عمرو بن ہند نے حیرہ اور دریائے فرات کے درمیان خیمے لگانے کا حکم دیا۔ اس کے حکم کے مطابق خیمے لگا دیے گئے پھر اس نے اپنی سلطنت کے معززین کو پیغام بھیجا وہ بھی حاضر ہو گئے۔ عمرو بن کلثوم بادشاہ کے خیمہ میں داخل ہوا اور اس کی ماں لیلیٰ کو ساتھ ہی متصل دوسرے خیمہ میں ٹھہرایا گیا جہاں عمرو بن ہند کی ماں ٹھہری ہوئی تھی۔ عمرو بن ہند نے اپنی ماں کو پہلے سمجھا دیا تھا کہ جب وہ اسے آواز دے تو غلام کو اپنے خیمہ سے نکال دے اور لیلیٰ کو کام کرنے کا کہے اس نے ایسا ہی کیا۔ جب لیلیٰ اطمینان سے بیٹھ گئی تو اس نے اسے کہا اے لیلیٰ یہ سینی مجھے پکڑانا۔ لیلیٰ نے بڑی نفرت اور نخوت سے کہا کہ جسے ضرورت ہو وہ خود پکڑ لے۔ ہند نے دوبارہ اصرار کے ساتھ کہا لیلیٰ بلند آواز سے چلائی ہائے میری یہ ذلت و رسوائی۔ کہاں گئے بنو تغلب۔ اس کے بیٹے نے جب یہ آواز سنی تو اس کی رگوں میں خون کھولنے لگا اور تیزی سے یہ کہتے ہوئے اٹھا آج کے بعد بنو تغلب کے لئے کوئی ذلت نہیں۔ پھر اپنے اردگرد نظر دوڑائی تو اسے خیمہ میں ایک تلوار لٹکی ہوئی نظر آئی اس نے تلوار پکڑی اور ایک ہی وار میں عمرو بن ہند کا سر تن سے جدا کر دیا۔

روایات میں آتا ہے کہ عمرو بن کلثوم نے اسی دن فی البدیہہ اپنا مشہور قصیدہ کہا۔ جس میں بادشاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

اے عمرو! تو ہم پر جلدی نہ کر۔ ہمیں کچھ مہلت دے تو ہم تجھے یقینی خبر سے آگاہ کریں کہ ہم جب جھنڈوں کو لاتے ہیں تو وہ سفید ہوتے ہیں اور جب واپس لے جاتے ہیں تو خون سے سیراب ہو کر سرخ ہوتے ہیں۔

اے ابن ہند! تم کس وجہ سے چغل خوروں کی بات مان کر ہمیں حقیر سمجھتے ہو۔

بنو تغلب نے ماں کی عزت وحرمت کی قیمت بادشاہ کا سر ہی نہیں لیا۔ بلکہ عمرو بن کلثوم کے بھائی مُرہ نے نعمان کے بیٹے اور بھائی کو قتل کر دیا۔ اس طرح اس نے ماں کی

اہانت کی وجہ سے اپنے سینے میں بھڑکنے والی آگ کو ٹھنڈا کیا۔ بنو تغلب عمرو کے اس قصیدہ کو بڑی قدر سے پڑھتے تھے اور اسے نسل در نسل روایت کرتے رہے۔ اور اس طرح عمرو بن ھند کا قتل بھی ان کے نزدیک ایک ایسا قابل فخر کارنامہ تھا جس پر وہ ہمیشہ ناز کرتے تھے فرزدق کہتا ہے۔

''میری قوم وہ ہے جس نے ابن ہند کو بزور قتل کیا''

اسی طرح صُریم تغلبی نے بھی اپنے قصیدہ میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اَخطَل تغلبی نے جُریر کو مخاطب کرتے ہوئے اس کے سامنے کلثوم کے بیٹوں عمرو اور مُرہ کا بڑے فخریہ انداز میں تذکرہ کیا۔

اے بنی کُلیب! میرے چچا وہ ہیں جنہوں نے بادشاہ کو قتل کیا اور قیدیوں کی بیڑیوں کو کھولا۔

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مامتا کے بارے میں لوگوں کی غیرت کہاں تک پہنچی ہوئی تھی۔ یہ ممکن ہے کہ اس واقعہ میں داستان گو حضرات نے کچھ اضافے کئے ہوں لیکن اس کے باوجود اس سے ہمیں عرب کے معاشرتی نظم میں مامتا کی عزت واحترام کی روشنی ملتی ہے اس کے ساتھ ساتھ مؤرخین نے عرب ماں کی بلند ہمتی کی گواہی دی ہے کہ اولاد کی عظمت میں ماں کے کردار سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اور انہوں نے اُن کے ان اشعار کو بھی نقل کیا ہے جو انہوں نے اپنے لڑکوں کو لوریاں دیتے وقت کہے جو بعد میں جوان ہو کر تاریخ ساز مرد بن کر ابھرے ان اشعار میں انہوں نے اپنے بیٹوں کی عزت وعظمت اور بزرگی کے لئے اپنی خواہشات کا اظہار کیا ہے۔ مؤرخین اس بات کے بھی معترف ہیں کہ حاتم طائی کو جود وسخاوت اپنی ماں سے وراثت میں ملی۔ صاحب الاغانی روایت کرتے ہیں کہ حاتم طائی کی ماں ہر چیز کو جود وسخاوت کرتے ہوئے لٹا دیتی تھی۔ جب اس کے بھائیوں نے دیکھا کہ وہ اپنا مال

جود وسخاوت میں ضائع کر رہی ہے تو انہوں نے اس سے مال چھین کر اپنے قبضہ میں لے لیا۔ لیکن انہوں نے جب دیکھا کہ ان کی اس حرکت سے ان کی بہن کو تکلیف ہوئی ہے۔ تو اس کے مال سے کچھ اونٹ اسے دے دیئے۔ انہی ایام میں قبیلہ ھَوازن کی ایک عورت حسب معمول اس سے سخاوت طلب کرنے آئی۔ یہ عورت ہر سال اس کے پاس آتی تھی۔ حاتم طائی کی ماں نے وہ اونٹ اسے دے دیئے اور کہا، قسم بخدا! میں خود فقر وفاقہ میں مبتلا ہوں لیکن میں کسی سائل کو خالی ہاتھ نہیں لوٹا سکتی اور پھر یہ اشعار پڑھے۔

واللہ! مجھے تیری عمر کی قسم: میں کافی عرصہ سے فقر وفاقہ میں مبتلا ہوں۔ لیکن میں نے یہ قسم کھائی ہوئی ہے کہ میں زندگی بھر کسی بھوکے کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرونگی۔ مجھے ملامت کرنے والوں کو کہہ دو۔ آج کے دن مجھے معاف رکھو۔ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو پھر اپنی انگلیوں کو کاٹ کھاؤ۔

اسی طرح جزیرۃ العرب میں عرب زندگی کے متعلق لکھنے والوں نے بھی عورت کے ساتھ انصاف کیا اور عرب کی نجیب الطرفین عورتوں کا خصوصاً ذکر کیا ہے جن میں چند ایک یہ ہیں۔

۱۔ **فاطمہ بنت خرشب النماریہ:۔** یہ زید عبسی کی بیوی تھی اس کے چار لڑکے تھے جو کملۃ کے لقب سے مشہور تھے۔ جن کے نام ربیع الکامل، قیس الحفاظ، عمارۃ الوہاب اور انس الفوارس تھے۔ ایک دن اس سے پوچھا گیا کہ تیرا کون سا بیٹا افضل ہے؟ وہ مخمصہ میں پڑ گئی۔ کبھی ربیع کا نام لیتی کبھی قیس کا۔ پھر کہنے لگی، میرے نزدیک وہ ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ وہ گول زنجیر کی مانند ہیں جس کی ابتداء اور انتہاء معلوم نہیں ہوتی۔

۲۔ **ام البنین بنت عامر بن عمرو:۔** اس کے خاوند کا نام مالک بن جعفر بن کلاب

تھا۔اس کے پانچ مشہور بیٹے تھے۔۱۔مُلَاعبُ الاسنّۃ (نیزوں کے ساتھ کھیلنے والا) براء بن مالک کا باپ)۲۔طفیل الخیل (عامر بن طفیل کا والد)۳۔معوذالحکماء معاویہ بن مالک ۴۔نزال المضیق سلمی بن مالک ۵۔ربیع المفترین ربیعہ بن مالک (والدربیعہ) (۱)

۳۔ عاتکہ بنت مرہ بن ھلال السلمیہ:۔ یہ عبدمناف بن قُصّی بن کلاب کی زوجہ تھیں۔ان کے بیٹوں میں ہاشم (حضرت عبداللہ کے دادا)، عبدالشمس (جداعلیٰ بنوامیہ) مطلب بن عبدمناف (حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ انہی کی اولاد میں سے تھے۔(۲) یہ عاتکہ رسول ﷺ کی عاتکہ نامی جدآت میں سے ایک ہیں۔

۴۔ ام الفضل لبابہ الکبریٰ بنت حارث بن حزن ھلالیہ:۔ یہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔ان کے بیٹوں میں ایک فضل بن عباس رضی اللہ عنہ تھے انہی کی وجہ سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالفضل مشہور ہوئی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اونٹنی پر حضور ﷺ کے پیچھے آپ ہی سوار تھے دوسرے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تھے۔بنوعباس آپ ہی کی نسل سے تھے۔تیسرے عبیداللہ۔چوتھے قثم۔پانچویں معبد،چھٹے عبدالرحمٰن اور ایک بیٹی ام حبیب بنت عباس تھی۔ان کا نکاح بنومخزوم میں ہوا۔(۳)

۵۔ ام لبابہ کبریٰ:۔ ان کا نام ہند بنت عوف بن زُہیر تھا۔انُ کی اولاد میں ام المومنین میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا، لبابہ صغریٰ بنت حارث جو کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ام المومنین زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا جو کہ ''ام المساکین'' کے لقب سے مشہور تھیں۔اسما بنت عمیس خثعمیہ، ان کا نکاح حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ان سے ان کے تین بیٹے عبداللہ، عون اور محمد پیدا ہوئے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کا نکاح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ان سے ان کے بیٹے محمد پیدا ہوئے۔پھر ان کے بعد ان کا

۱ ابن حزم: جمہرۃ الانساب ص: ۲۶۸ ۲ جمہرۃ الانساب ص: ۱۲ ۳ جمہرۃ الانساب ص: ۱۵

نکاح حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوا اور یحییٰ بن علی پیدا ہوئے۔(۱)

۶۔ریطہ بنت سعید بن سہم الفہر یہ السہمیہ:۔ ان کے خاوند کا نام مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم تھا ان کے بیٹوں میں ہاشم بن مغیرہ، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نانا تھے۔ہاشم بن مغیرہ زمانہ جاہلیت میں قریش ان کی وفات کے دن سے تاریخ کا تعین کیا کرتے تھے۔ابوربیعہ ذوالرمحین مشہور شاعر عمر بن ربیعہ کے دادا، ابوامیہ بن مغیرہ جو ذات الرکب کے نام سے مشہور ہوئے۔یہ ام المومنین حضرت ام سلمی رضی اللہ عنہا کے والد تھے۔خداش زھیر، نمیم، فاکہ جو ابوسفیان بن صحر سے پہلے ھند بنت عتبہ کا شوہر تھا۔بنومغیرہ اور ان کی والدہ ریطہ کے بارے میں مشہور شاعر عبداللہ بن الزبعری اپنے قصیدہ میں کہتا ہے۔

''غور سے سنو! اس قوم کی تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہیں۔جن کو بنوسہم کی بہن نے جنا ہے۔''

عربوں کے کے نزدیک مامتا کی عزت وعظمت کی یہ بھی ایک دلیل ہے کہ بہت سے عرب قبائل اپنی ماؤں کی طرف منسوب ہوئے یہاں ان میں سے چندایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ بنوخندف، لیلیٰ بنت حلوان بن عمران القضاعیہ:۔ اسکی طرف اس کے خاوند الیاس بن مضر بن معد بن عدنان کی اولاد منسوب ہوتی تھی۔

۲۔ ام خندف، صریہ بنت ربیعہ بن نزار:۔ اس کی طرف حمصریہ منسوب ہوتے تھے۔

۳۔ بنومزینہ بنت کلب بن وبرہ:۔ اس کی طرف عثمان اور عوف کی اولاد منسوب ہوتی تھی۔

۴۔ بنوجدیلہ بنت مربناً د:۔ بعض نے ان کو مدرکہ بنت الیاس بتایا ہے یہ بنوفہم اور عدوان کی ماں تھیں۔یہ دونوں عمرو بن قیس عیلان بن مضر کے بیٹے تھے۔

۵۔ **بنوطفاوہ بنت جرم بن زبان:۔** اس کی طرف باھلہ اور غنی کی اولاد منسوب ہوتی تھی۔ جو اعصر بن سعد بن قیس عیلان کے بیٹے تھے۔

۶۔ **بنو باھلہ بنت صعب بن سعد العشیر ۃ المذحجیہ:۔** اس نے اپنے خاوند مالک بن اعصر کی تمام اولاد کی پرورش کی۔ کچھ اولاد اس کے اپنے بطن سے تھی اور کچھ دوسری بیویوں کے بطن سے، لیکن تمام اس کی طرف منسوب ہوتی تھی۔

۷۔ **بنوقیلہ بنت ارقم بن عمرو بن جفنہ غسانی:۔** یہ اوس اور خزرج کی والدہ تھیں جو حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو ازدی کے بیٹے تھے انصار کے تمام قبائل اس کی طرف منسوب ہوتے تھے۔

۸۔ **بنوبجیلہ، بنت صعب بن سعد العشیر ۃ:۔** اس کی طرف اس کے خاوند عمرہ بن غوث جو کہ ازد کا بھائی تھا، کی اولاد منسوب ہوتی تھی ان میں انمار، خثعم، ووداعہ، عبقر، غوث اشھل اور طریف کے قبائل شامل تھے۔

۹۔ **بنوعاملہ قضاعیہ:۔** یہ حارث بن عدی بن مرہ بن اود کی اولاد تھے۔ بڑی عجیب بات ہے کہ مالک بن حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم کے گیارہ بیٹے تھے۔ جن سے بنی تمیم کے قبائل کی مختلف شاخیں نکلتی تھیں۔ ان میں بعض اپنی ماؤں کی طرف منسوب ہوتے تھے جیسے:

(i) **بنوصحاریہ:۔** ربیعہ اور کعب جو مالک بن حنظلہ کے بیٹے تھے۔

(ii) **بنوعدویہ:۔** یہ زید، صدی اور یربوع کی والدہ تھیں۔ جو مالک بن حنظلہ کے بیٹے تھے۔

(iii) **بنوطھیہ:۔** بنت عبدالشمس بن سعد بن زید مناۃ یہ طھوی کی ماں تھی۔ یہ ابوالسود اور عوان کی اولاد میں سے ہے جو مالک بن حنظلہ کے بیٹے تھے۔

۱۰۔ **بنوخطی:۔** یہ جشیش بن مال بن حنظلہ کی ماں تھیں۔

۱۱۔ **بنوبشہ:۔** یہ بنوسدوس بن ضارم کی والدہ تھیں۔

۱۲۔ **بنومنیہ:۔** یہ لیلیٰ بن منیہ کی ماں تھیں۔ اس کا باپ امیہ بن ابی عبیدہ بن ھمام تھا اور یہ

بھی زید بن حنظلہ کی اولاد میں سے تھا۔

جزیرہ عرب کے کچھ بادشاہ بھی اپنی ماؤں کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ جیسے عمرو بن ہند۔ اس کا باپ منذر بن ماء السماء جو حیرہ کا بادشاہ تھا۔ ماء السماء ملوک مناذرہ کی ماں تھی۔ جس کا نام ماویہ بنت عوف بن جشم تھا۔

اکثر اوقات شعراء بڑی بڑی شخصیات کی تعریف ان کی ماؤں کی نسبت سے کرتے تھے۔ حذیفہ بن غانم حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کے مرثیہ میں قصی کے قریش پر فضل واحسان کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

''لبنی کے بیٹے نے جو احسان کیا ہے اس کو مت بھول۔ اس نے تو ایسا احسان کیا ہے جو قابل ستائش ہے۔ تیری ماں بنوخزاعہ کی اصل اور جوھر ہے۔''

بشر بن ابی حازم، اوس بن حارثہ بن لام الطائی کی مدح بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

میں اوس بن حارثہ بن لام کی طرف جارہا ہوں تا کہ وہ میری ضرورت کو پورا کرے بلاشبہ اس نے پہلے بھی میری ضرورت کو پورا کیا ہے۔ ابن سعد کی مثل زمین پر چلنے والا کوئی نہیں ہے۔

بشر ابن ابی حازم نے اوس بن حارثہ لام طائی کے بارے میں جو اشعار کہے اس کا ایک پس منظر تھا جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ لوگ ماں کی اپنے بیٹوں کی تربیت اور تہذیب کے معترف تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں نے بشر بن ابی حازم کو اوس کی ہجو کرنے پر برانگیختہ کیا۔ اس نے بڑے سخت الفاظ میں اوس کی ہجو بیان کی جس کی وجہ سے وہ پریشان ہوگیا۔ بشر بن ابی حازم چونکہ غلام تھا اس لئے اوس نے اپنے کسی آدمی کو اس کے آقا کے پاس بھیجا کہ وہ بشر کو اس سے خرید لائے خواہ کتنی ہی قیمت ادا کرنا پڑے۔ جب بشر کو خرید

کراوس کے سامنے پیش کیا گیا تو اس سے کہا گیا کہ دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرلو۔ یا تمہاری زبان کاٹ کر تمہیں مرنے تک قید کردیا جائے یا تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر تمہیں چھوڑ دیا جائے۔ جب اوس کی والدہ سعدیٰ کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے اسے ناپسند کیا اور اپنے بیٹے کو اس کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔ اوس نے اپنی ماں کے حکم کی تعمیل کی۔ یہ حسن سلوک دیکھ کر بشر نے اپنے قصائد میں ابن سعدیٰ (اوس) کی بہت تعریف کی اور یہ قسم کھائی کہ جب تک وہ زندہ رہے گا سوائے اوس کے کسی کی مدح میں قصیدہ نہیں کہے گا۔

عرب مؤرخین نے اہم حادثات وواقعات میں عورت کے کردار کو فراموش نہیں کیا۔ ابن اسحاق نے سیرت نبویہ میں حلف المطیبین میں ایک عورت کے کردار کو اجاگر کیا ہے۔

یہ حلف قصی بن کلاب کی وفات کے بعد بنو عبدِ مناف اور اُس کے حلیفوں کے درمیان بنو عبد الدار کے خلاف طے پایا۔ بنو عبد مناف کی عورتوں نے خوشبو سے بھرا ایک پیالا پیش کیا۔ یہ کعبہ کے قریب مسجد حرام میں رکھ دیا گیا۔ اسکے بعد سب نے اپنے ہاتھ اس میں ڈبو کر کعبے کی دیواروں پر لگائے تا کہ اس عہد کو پختہ کرسکیں کہ وہ ہر آزمائش میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔

امام سہیلی نے نقل کیا ہے کہ زبیر بن بکر نے اپنی کتاب میں دو مرتبہ ''انسابِ قریش'' اس عورت کیلئے استعمال کیا ہے جس نے خوشبو کا پیالہ پیش کیا تھا۔ یہ حضرت عبدالمطلب کی بیٹی تھی جس کا نام ''اُم بیضا'' تھا۔ یہ حضورﷺ کی پھپھی اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی جڑواں بہن تھی۔ ہمیں اس بات سے مکمل آگاہی ہے کہ عرب زمانہ قدیم سے ہی اپنے حسب ونسب کے بیان کرنے میں بڑے حریص رہے ہیں۔ حسب نسب میں مہارت انکے لئے فن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس فن میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں اور قریش کے بہت سے لوگ حسب نسب بیان کرنے میں ''حافظ'' مشہور ہوئے۔

جیسا کہ حضرت زبیر بن مطعم بن عدی قریش میں سب سے زیادہ نسب بیان کرنے والے مشہور ہوئے اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عرب حسب ونسب کے بہت بڑے عالم سمجھے جاتے تھے۔

لیکن جب ہم حسب نسب کی بات کرتے ہیں تو ہمارا دماغ فوری طور پر آباء واجداد کی طرف متوجہ ہوتا ہے نہ کہ ماؤں اور دادیوں کی طرف لیکن عرب حسب نسب بیان کرنے والوں نے اُن عورتوں کو نظر انداز نہیں کیا۔ اگر ہم حسب نسب پر لکھی گئی کسی بھی کتاب کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ آباء واجداد کے بیان کے ساتھ دادیوں کے بیان میں کتنے حریص تھے۔ حسب نسب میں حریص اس قوم کی اس قدر توجہ غیر متوقع نہیں۔ عورتوں نے قبول اسلام کے بعد بھی اس ریت کو صدیوں تک برقرار رکھا۔ جریر بن عطیہ، ہشام بن عبدالملک بن مروان کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''وہ ماں جس نے قریش کو جنم دیا وہ نہ نجار کی گری پڑی عورت ہے اور نہ بانجھ ہے۔ ہمارے باپ سے زیادہ عزت والا کوئی راہنما نہیں تھا اور کوئی ماموں اتنا باعزت نہیں جتنا کہ ''تمیم''

ابن ہشام نے کہا

''یہاں ماں سے مراد برابنت مُر جو تمیم بن مُر کی بہن اور نضر (قریش) کی ماں تھی۔ کچھ کہتے ہیں کہ قریش فہر بن مالک کا لقب تھا۔

جب بھی سیرت ابن ہشام کا ذکر ہو پڑھنے والا اِس بات پر حیرت زدہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ حسب ونسب کے بیان میں ماؤں کو کسقدر اہمیت دیتے تھے۔ اسی طرح اگر آپ قریش کے حسب ونسب کا مطالعہ کریں جو مصعب زبیری کی ''نسب قریش'' ابن حزم اندلسی کی ''جمہرۃ الانساب'' میں لکھے ہیں۔ تو آپ اُن نسب بیان کرنے والوں کو ماؤں کے نسب کے

متعلق پوری دلچسپی کا اظہار کرتے پائیں گے۔

گذشتہ صفحات میں ہم نے عربوں کے ہاں عورت کے مقام ومرتبہ کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے اسکی روشنی میں اُن لوگوں کے متعلق یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے عورت کو معاشرے میں حقیر ترین مقام دیا ہووہ عورت کے مقام ومرتبے کے متعلق اتنے بلند خیال کے مالک ہوسکتے ہیں۔ وہ لوگ جو بچیوں کو زندہ درگور کرتے تھے اور ماؤں کو وراثت کا حصہ سمجھتے تھے کیا ان سے عورت کے ساتھ ایسے سلوک کا تصور کیا جاسکتا ہے؟

لیکن اس کے باوجود عربوں کے ہاں عورت کے استحصال کا انکار ممکن نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوا تو ہم بھی اُن لوگوں کی طرح بدقسمتی کا شکار ہوجائیں گے جنہوں نے قدیم عربی معاشرے میں عورت کی عزت وعظمت سے انکار کیا ہے۔قرآن پاک میں زندہ درگور کی جانے والی بچی کی قسم کھا کر کہا گیا۔

''اُس لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ اُسے کس جرم میں قتل کیا گیا''

(سورۃ التکویر)

گوکہ تاریخ کی کتابوں میں اس کا ذکر موجود ہے۔ تاہم ہمیں یہ بھی علم ہے کہ یہ عربوں میں عام نہیں تھا۔ ہم عرب معاشرے کی یک رُخی تصویر پسند نہیں کرتے۔ البتہ اگر ہم عورت کے مقام ومرتبے کے متعلق عربوں کی تاریخی روایات کا موازنہ اُن روایات سے کریں جن میں عورت کی تذلیل اور استحصال کا ذکر ہے تو پہلے والی روایات زیادہ اہمیت کی حامل ہونگی۔ خصوصاً زمانہ جاہلیت میں عورت کی ترقی اور شعور سے ہزاروں سال قبل ہونے والے واقعات کو جب ہم مختلف حالات کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔

امہات الانبیاء

علیھم السلام وعلیھن

اس کتاب میں نسوانیت اور مامتا کے متعلق حسین وجمیل چیز کا ذکر ابھی باقی ہے۔ وہ خوبصورت چیز چار برگزیدہ پیغمبروں حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی حیات طیبہ میں ان کی ماؤں کا کردار ہے۔ اس کیلئے ہمیں الہامی ادیان کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ عجیب اتفاق یہ ہے کہ ان انبیاء کے بچپن میں ان کی پرورش کی ذمہ داری ان کی ماؤں کے سپرد کی گئی اور اس سعادت میں ان کے آباء شریک نہ ہوئے کیونکہ بعض انبیاء کرام کے آباء ان کی ولادت سے پہلے ہی وفات پاچکے تھے۔ اور بعض کے آباء بچپن میں ان کے پاس نہ تھے۔ لیکن یہ ایک طبعی اور فطری امر ہے۔ اس میں نہ تو کوئی تعجب کی بات ہے اور نہ ہی اسے کوئی اتفاقی حادثہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ مامتا میں پیار، محبت اور ایثار کے وافر جذبات اس بات کے متقاضی ہیں کہ وہ ان جلیل القدر انبیاء کی تربیت کے فریضہ کو سرانجام دیتیں جن کو بنی نوع انسان کی رشد وہدایت کے لئے منتخب کیا گیا۔ چونکہ ان ادیان کے حاملین جلیل القدر انبیاء کی پرورش ان کی ماؤں نے کی تھی اس لئے یہ ادیان کبھی بھی ماں کے مقام ومرتبہ کو گھٹا نہیں سکتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"فطرة الله التى فطر الناس عليها لاتبديل لخلق الله" (۱)

(مضبوطی سے پکڑلو) اللہ کے دین کو جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے کوئی ردوبدل نہیں ہوسکتا اللہ کی تخلیق میں)

۱ سورۃ الروم:۳۰

۞ اُمّ اسماعیل ۞

علیہ وعلیہا الصلاۃ والسلام

"اے ہمارے رب! میں نے بسادیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں۔ تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں۔ اے ہمارے رب! یہ اس لیے تا کہ وہ قائم کریں نماز، پس کردے لوگوں کے دلوں کو ایسا کہ وہ شوق ومحبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تا کہ وہ (تیرا) شکرادا کریں" (سورۃ ابراہیم: ۳۷)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا قصہ تورات نے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ قرآن کریم نے بھی متعدد مقامات پر اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ قرآن پاک کسی بھی واقعہ کی تفصیلی جزئیات بیان نہیں کرتا بلکہ اس واقعہ کے جوہر اور اصل کی طرف توجہ دلاتا ہے اور اس سے مقصود انسانی توجہ کو وعظ ونصیحت اور عبرت پذیری پر مرکوز کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پرورش اور تربیت آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کی۔ جب ان کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کو ایک بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ گئے۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا اپنے بچے کے لئے بیقرار ہونا اور اسے پیاس میں تڑپتے دیکھ کر بے چین ہونا اور پھر پانی کی تلاش میں صفاہ ومروہ کے درمیان دوڑنا، تاریخ کا حصہ اور لوگوں کے لئے نمونہ ہے اور یہ مامتا کی ایک ایسی تصویر ہے جس نے مامتا کو ہمیشہ کیلئے یادگار بنادیا۔ آپ کے مصائب وآلام اتنے پاکیزہ اور مقبول ہیں کہ انہیں عبادت کا

درجہ دے دیا گیا۔

حضرت ہاجرہ علیہا السلام کون ہیں؟ ہاجرہ ایک کمزور اور ناتواں کنیز تھیں (۱) حضرت ہاجرہ علیہا السلام شاہ مصر کی دختر تھیں۔ جس نے حضرت سارہ علیہا السلام کی عظمت اور کرامت سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی کو بطور خادمہ ان کے ساتھ رکھنا اپنے اور اپنے خاندان کے لئے فخر وعزت کا باعث سمجھا۔ اس نے کہا تھا۔ میری بیٹی کا اس کے گھر خادمہ ہو کر رہنا دوسرے گھر میں ملکہ ہو کر رہنے سے بہتر ہے۔ (۲)

اس وقت معاشرہ کا رواج تھا کہ دوسری بیوی پہلی بیوی کی کنیز سمجھی جاتی تھی۔ ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت سائرہ علیہا السلام مصر سے کنعان لے آئیں۔ حضرت سائرہ علیہا السلام کی عمر کافی ہوچکی تھی لیکن ابھی تک اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد کی نعمت سے نہیں نوازا تھا۔ ایک دن انہیں خیال آیا میں اپنی کنیز ہاجرہ اپنے خاوند کو ہبہ کردیتی ہوں شاید اللہ تعالیٰ اس سے انہیں اولاد سے نواز دے۔ یہ سوچ کر انہوں نے اپنی کنیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کردی۔ پھر کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ پر کرم فرمایا اور وہ امید سے ہوگئیں جس سے حضرت سائرہ علیہا السلام کی نسوانی غیرت بھڑک اٹھی جو ہر عورت کے سینے میں ہوتی ہے۔ اور انہیں یہ محسوس ہونے لگا کہ ان کی کنیز اب بڑے فخر سے ان کی طرف دیکھتی ہے۔ ایک دن انہوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس شکایت کی کہ میں نے اپنی کنیز آپ کو دی تھی لیکن کچھ دنوں سے وہ مجھ پر برتری کا اظہار کرنے لگی ہے۔ آپ نے بڑی نرمی سے جواب دیا۔ وہ تمہاری کنیز ہے! تم جو چاہو اس کے ساتھ سلوک کرسکتی ہو۔ لیکن حضرت سائرہ علیہا السلام نے اپنی کنیز کو کچھ نہ کہا اور خاموشی اختیار کرلی۔ لیکن جب حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو یہ بات ان کی برداشت سے باہر ہوگئی اور انہوں نے یہ قسم اٹھائی کہ اب وہ اور ان کی کنیز ایک چھت کے

(الروض الانف: ۱/۱۶) (رحمۃ للعالمین ۲: ۵۴-۶۴)

نیچے نہیں رہ سکتیں۔

پھر سائرہ علیہا السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجبور کرتی رہیں حتیٰ کہ آپ ایک دن گھر سے نکلے اور جنوب کی طرف چل دیئے۔ آپ کے پیچھے سیدہ ہاجرہ علیہا السلام اور ان کی گود میں جناب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے۔ آپ کے دل میں خیال آیا کہ اپنے بیٹے کے لیے مکہ میں جائے پناہ تلاش کریں جہاں اللہ تعالیٰ کے قدیم گھر کے کچھ آثار باقی تھے۔

یہ وہی بیت اللہ ہے۔ جس میں زمین پر اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلے عبادت کی گئی۔

مکہ ان دنوں بے آب وگیاہ تھا۔ یہاں کوئی آبادی کا نام ونشان نہ تھا کبھی کبھار بدوؤں کا کوئی قافلہ آ کر یہاں ٹھہر جاتا۔ قوم عمالقہ کے کچھ لوگ مکہ سے باہر آباد تھے۔ یہ بھی کبھی کبھی پانی اور گھاس کی تلاش میں ادھر آ نکلتے۔ وہیں ایک ٹیلہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چھوڑا اور انہیں ایک توشہ دان جس میں کچھ کھجوریں تھیں اور پانی کا ایک مشکیزہ عطا کر کے فرمایا کہ یہاں کھجور کی شاخوں کا ایک چھپر بنا لینا۔

جب آپ انہیں چھوڑ کر واپس جانے لگے تو حضرت ہاجرہ علیہا السلام اس بے آب وگیاہ صحرا کی وحشت سے خوفزدہ ہوگئیں اور عرض کرنے لگیں ہمیں اس خوفناک میدان میں اکیلے چھوڑ کر نہ جانا لیکن نہ تو آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور نہ ہی کوئی جواب دیا۔ شاید آپ اس بات سے ڈر گئے کہ کہیں اس حیران وپریشان ماں کی ممتا کے سامنے ان کی ہمت جواب نہ دے جائے۔ حضرت ہاجرہ علیہ السلام نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

"آپ ہمیں اس وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں، جہاں کسی انسان کا نام ونشان نہیں۔"

لیکن آپ نے پھر کوئی توجہ نہ دی حتیٰ کہ جب آپ وادی کے موڑ پر پہنچے تو آپ نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی غم انداز صدا سنی۔ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ آپ

مجھے اور اس بچے کو اس بے آب وگیاہ میدان میں چھوڑ آئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیچھے مڑ کر متوجہ ہوئے بغیر جواب دیا ہاں یہ جواب سن کر انہوں نے سر تسلیم ختم کر لیا اور کہا پھر اللہ تعالیٰ ہمیں بے یار ومددگار نہیں چھوڑے گا۔(۱)

پھر آپ نے خاموشی سے اپنا سر جھکا لیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف متوجہ نہ ہوئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اس وادی سے نکل کر ایک ٹیلہ کی اوٹ میں ہو گئے تو آپ نے بڑی عاجزی وانکساری سے اللہ کی بارگاہ میں یہ دعا کی۔

"ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتك المحرم، ربنا لیقیموا الصلاة فاجعل افئدة من الناس تهوی الیهم وارزقهم من الثمرات لعلهم یشکرون، ربنا انك تعلم مانخفی وما نعلن وما یخفٰی علی الله من شیء فی الارض ولا فی السماء (۲)

(اے ہمارے رب! میں نے بسا دیا اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں۔ اے ہمارے رب! یہ اس لئے تاکہ وہ قائم کریں نماز، پس کر دے لوگوں کے دلوں کو ایسا کہ وہ شوق ومحبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تاکہ وہ تیرا شکر ادا کریں۔ اے ہمارے رب! یقیناً تو جانتا ہے جو ہم (دل میں) چھپائے ہوئے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں اور کوئی چیز مخفی نہیں اللہ تعالیٰ پر نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔)

---

(۱) روض الانف 35/1، (۲) سورۃ ابراہیم 38-37

اس دعا کے بعد آپ سرزمین کنعان کی طرف عازم سفر ہوئے اور اپنی زوجہ سیدہ سائرہ علیہا السلام کے پاس پہنچ گئے۔

ادھر حضرت ہاجرہ علیہا السلام اپنے بچے کی طرف متوجہ ہوئیں۔ بچے کو دیکھ کر انہیں کچھ تسلی ہوئی اور انس ملا جس سے آپ درپیش آمدہ مصیبت اور ہجر و فراق کی مشقت کو کچھ دیر کے لیے بھول گئیں اور اپنے پیارے اور لاڈلے بیٹے کے پیار میں اتنی محو ہوگئیں کہ ان میں اس چٹیل وادی میں تنہائی کا احساس ختم ہوگیا اور اپنے بچے کی محبت میں وہ یہ بھول گئیں کہ قسمت نے انہیں کہاں لا کھڑا کیا ہے۔ حتیٰ کہ جب کھجوریں اور پانی ختم ہوگیا اور پیاس نے معصوم لخت جگر کو بے قرار کیا تو پریشان ہوکر اٹھیں اور پانی تلاش کرنے لگیں۔ جب آس پاس پانی نہ ملا تو دل میں خیال کیا کہ کسی پہاڑی پر چڑھ کر دیکھوں۔ اس وادی کے قریب ترین صفا کی پہاڑی تھی۔ آپ اس پر چڑھ گئیں۔ صفا پر چڑھ کر وادی میں نظر دوڑائی کہ شاید کچھ نظر آئے پھر اپنے کان لگائے کہ شاید کوئی آواز سنائی دے لیکن وہاں سکوت اور وحشت کے سوا کچھ نہ تھا پھر آپ تیزی سے دوڑتی ہوئیں سامنے والی پہاڑی مروہ پر چڑھ گئیں کہ شاید وہاں زندگی کے کچھ آثار ہوں لیکن وہاں بھی دور دور تک زندگی کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ اس طرح آپ نے صفا و مروہ کے درمیان کئی چکر لگائے پھر تھک کر زمین پر بیٹھ گئیں اور اپنے آپ اور اپنے بیٹے کو اللہ کی رضا کے سپرد کردیا۔

لیکن بچے کی پیاس نے آپ کے جگر کو پاش پاش کردیا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کا لخت جگر پیاس سے تڑپ رہا ہے۔ ماںتا کیلئے یہ بڑا مشکل مرحلہ تھا آپ نے اپنے بدن میں باقی ماندہ قوت کو مجتمع کیا اور اپنے بدن کو آہستہ آہستہ بچے سے جدا کرلیا پھر اپنے چہرے پر اوڑھنی ڈال لی اور کہنے لگیں کہ میں اپنی آنکھوں سے اپنے بچے کو دنیا سے رخصت ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔

گویا کہ کچھ وقت کے لیے کائنات کی گردش تھم گئی۔ صرف اس بچے کی شدت پیاس سے تڑپنے اور اس کی ماں کی آہ و بکا کی صدا تھی جو اس چٹیل وادی میں گونج رہی تھی اس کے ساتھ ساتھ جنگلی جانورں اور درندوں کی صدائیں بھی تھیں جو اپنے شکار کی تلاش میں ادھر ادھر اس وادی کے گرد گھوم رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اس کی طرف سے اس الم سے نجات کا پروانہ کرم آ گیا۔ ایک پرندہ وادی کے گرد چکر کاٹتا ہے پھر ایک جگہ بیٹھ کر اپنی چونچ کے ساتھ زمین کو کھودنے لگتا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے آب زم زم کا چشمہ پھوٹ پڑتا ہے۔ (۱) یہ دیکھ کر حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے تن بدن میں جان پڑجاتی ہے اور وہ آگے بڑھ کر پہلے بچے کو پانی پلاتی ہیں اور پھر خود نوش جاں کرتی ہیں۔ آب زم زم کے چشمہ سے اس خشک اور چٹیل وادی میں زندگی کی لہر دوڑنے لگتی ہے۔ انہی دنوں قبیلہ بنو جرہم کا ایک قافلہ شام جاتے ہوئے مکہ کے قریب سے گزرتا ہے۔ اہل قافلہ مکہ کے نشیبی علاقہ میں پڑاؤ ڈالتے ہیں اور وادی مکہ میں ایک پرندے کو منڈلاتے ہوئے دیکھتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ ضرور یہ پرندہ پانی پر منڈلا رہا ہے۔ ہم تو اس وادی سے کئی بار گزرے ہیں لیکن یہاں تو پانی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ پھر اپنے ایک آدمی کو حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے بھیجتے ہیں۔ وہ جاتا ہے اور واپس آ کر اپنے ہمراہیوں کو چشمہ کے بارے میں آگاہ کرتا ہے۔ پھر یہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرتے ہیں کہ اگر آپ پسند کریں تو ہم یہاں پڑاؤ کرلیں۔ پانی آپ کی ملکیت ہی میں رہے گا۔ آپ انہیں اجازت دے دیتی ہیں۔ اس طرح وہ لوگ وہاں آباد ہوجاتے ہیں۔

۱ یہ مصنفہ کی اپنی رائے ہے۔ اس سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عظمت ظاہر نہیں ہوتی۔ صحیح بات یہی ہے کہ چشمہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑیاں رگڑنے کی جگہ پھوٹا جو معجزہ کے طور پر رونما ہوا۔ اس بات کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے۔ ''اللہ تعالیٰ ام اسماعیل پر رحم فرمائے اگر وہ جلدی نہ کرتیں اور اس کے گرد مٹی کی بنی نہ بناتیں تو زم زم بہت بڑا چشمہ ہوتا (ضیاء النبی: ۱/۳۸۴)

حضرت اسماعیل علیہ السلام اُسی ماحول میں پروان چڑھتے رہے۔ جب آپ عنفوان شباب کو پہنچے تو آپ کے والد گرامی حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے اور انہیں اپنے خواب کے بارے میں بتایا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قال یبنی انی اری فی المنام انی اذبحك فانظر ماذاتری قال یا ابت افعل ماتؤمر ستجدنی ان شاء الله من الصٰبرین (۱)

''آپ نے فرمایا اے پیارے فرزند! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں اب بتا تیری کیا رائے ہے۔ عرض کیا میرے پدر بزرگوار! کر ڈالئے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔''

اس کے بعد قربانی کا وہ عظیم واقعہ پیش آیا، تاریخ جس کی نظیر لانے سے قاصر ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا عزم کیا تو اللہ تعالیٰ نے جنت سے ایک خوبصورت مینڈھا بھیج دیا اور الہام کیا کہ وہ اپنے صابر وشاکر بیٹے کے بدلے میں اس مینڈھے کو ذبح کر دیں۔ پھر آپ کو اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کا حکم دیا آپ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ ملکر اس کی تعمیر کی اور اسے اس کے گھر کا طواف، اعتکاف اور اس میں رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے پاک صاف کیا اور ان کی زبان مبارک پر یہ دعائیہ کلمات تھے۔

"ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم۔"........... الخ (۲)

اے ہمارے پروردگار! قبول فرما ہم سے (یہ عمل) بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے، اے ہمارے رب! بنا دے ہم کو فرمانبردار اپنا اور ہماری اولاد سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کرنا جو تیری فرمانبردار ہو اور بتا دے ہمیں ہماری عبادت کے طریقے اور توجہ فرما ہم پر اپنی رحمت سے، بے شک تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم

۱ سورۃ الصّٰفّٰت:۱۰۲ ۲ سورۃ البقرہ ۱۲۵۔۱۲۹)

فرمانے والا ہے۔ اے ہمارے رب! بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسول انہی میں سے تاکہ پڑھ کر سنائے انہیں تیری آیتیں اور سکھائے انہیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں اور پاک صاف کر دے انہیں بے شک تو بہت زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو حج کی طرف بلائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور ان کی ذریت میں اپنے رسول مکرم، نبی معظم، صفوۃ الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ حضرت سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ تاریخ میں جن کی مامتا مصائب وآلام کی آزمائش سے گزری اور جس کی صفاومروہ کے درمیان سعی دین اسلام میں شعائر حج کا درجہ پا گئی۔ یہ سعی ہر سال ہمیں اس مامتا کی یاد دلاتی ہے۔

اُمّ موسیٰ

علیہ وعلیہا الصلوۃ والسلام

"اور ہم نے الہام کیا موسیٰ کی والدہ کی طرف کہ اسے (بے خطر) پلاتی رہ (دودھ) اور جب اس کے متعلق اندیشہ لاحق ہو تو ڈال دینا اسے دریا میں اور نہ ہراساں ہونا اور نہ غمگین ہونا، یقیناً ہم لوٹا دیں گے اسے تیری طرف اور ہم بنانے والے ہیں اسے رسولوں میں سے۔" (القصص:۷)

قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد گرامی کا ذکر نہیں ملتا۔ اس میں صرف آپ کی والدہ ماجدہ ہی کا تذکرہ ملتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نگہداشت، پرورش اور رضاعت کے تمام امور انہی کے سپرد ہوئے، یہ وہ وقت تھا جب فرعون نے بنی اسرائیل پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا اور غلام بنا کر انہیں طرح طرح کے شدید مظالم میں مبتلا کر رکھا تھا۔

روایت میں آتا ہے کہ اس نے ایک پریشان کن خواب دیکھا جس نے اس کے حواس اڑا کر رکھ دیئے۔ اس نے کاہنوں، جادوگروں، نجومیوں اور معبرین کو بلایا اور ان سے اس خواب کی تعبیر کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو تجھ سے تیری بادشاہی چھین لے گا تجھے اور تیری قوم کو اس سرزمین سے نکال دے گا۔

تیرے دین کو ختم کر دے گا اور اس کی پیدائش کا وقت بالکل قریب آ چکا ہے۔

یہ سن کر وہ سخت طیش میں آ گیا اور اس پر جنون طاری ہو گیا اس نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے ہاں جو بھی لڑکا پیدا ہوا سے قتل کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے اس نے دائیوں کی ایک جماعت تیار کی اور اسے ملک کے اطراف واکناف میں پھیلا دیا۔ اس طرح فرعون

نے بنی اسرائیل کے ستر ہزار بچے قتل کیے۔ انہی ایام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو آپ کی والدہ خوف و پریشانی کے عالم میں کپکپانے لگیں۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر دایہ کے دل میں رحم آ گیا اور اس نے وعدہ کیا کہ وہ اس بچے کے بارے میں کسی کو نہیں بتائے گی۔ بعض روایات میں ہے کہ جب دایہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو وہ ان کے معصومانہ حسن و جمال کو دیکھ کر ان پر دل وجان سے فریفتہ ہو گئی اور بچے کو قتل کے لئے فرعون کے کارندوں کے حوالے نہ کیا۔ لیکن فرعون کے جاسوسوں نے اسے موسیٰ علیہ السلام کے گھر سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا۔ انہوں نے گھر کا گھیراؤ کر لیا اور قریب تھا کہ وہ بچے کو پکڑ لیں کہ اچانک موسیٰ علیہ السلام کی بہن مریم نے انہیں دیکھ لیا اور گھبراہٹ کے عالم میں اپنی ماں سے کہا۔ دروازے پر فرعون کے سپاہی ہیں۔

اس درپیش پریشانی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو الہام کیا انہوں نے اپنے نومولود بچے کو کپڑے میں لپیٹا اور جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیا۔ اس کے فوراً بعد سپاہی اندر داخل ہو گئے۔ انہیں ام موسیٰ اور انکی بہن کے سوا کچھ نظر نہ آیا جو اپنے کام کاج میں مصروف تھیں۔ انہوں نے بڑی سختی سے پوچھا دایہ تمہارے پاس کیا لینے آئی تھی۔ انہوں نے بڑے وقار اور سنجیدگی سے جواب دیا کہ وہ سہیلی تھی اور ملاقات کے لئے آئی تھی۔ یہ جواب سن کر سپاہی چلے گئے۔ اب ام موسیٰ علیہ السلام کو اپنے بچے کی فکر لاحق ہوئی تو انہیں تنور سے اپنے بچے کی آواز سنائی دی۔

وہ بھاگی بھاگی گئیں اور بچے کو تنور سے نکالا۔ اللہ کے فضل اور رحمت سے آگ نے بچے کو مس تک نہ کیا تھا۔ ان پر یہ حقیقت پوری طرح عیاں تھی کہ بچے کو اس طرح زیادہ دیر تک اپنے پاس ٹھہرانا مشکل ہے۔ وہ اسی سوچ و بچار میں تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں الہام کیا۔

"ان اقذفیه فی التابوت فاقذفیه فی الیم فلیلقه الیم بالساحل

---

[1] قصص الانبیاء ۱۲۴-۱۲۳

یاخذہ عدو لی وعد ولہ"(۱)

"یہ کہ رکھ دو اس معصوم بچے کو صندوق میں، پھر ڈال دو اس صندوق کو دریا میں، پھینک دے گا اسے دریا ساحل پر، پھر پکڑے گا اسے وہ شخص جو میرا بھی دشمن ہے اور اس بچے کا بھی دشمن ہے۔"

آپ نے اس آسمانی حکم کی تعمیل کی اور ایک صندوق لے کر اس میں کچھ روئی رکھی۔ اپنے لختِ جگر کو دودھ پلایا اور پھر اسے اس صندوق میں سلا دیا اور صندوق کا دروازہ مضبوطی سے بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جس وقت انہوں نے اپنے فرزندِ دل بند کو دریا کی لہروں کے سپرد کیا ہوگا۔

اکثر مؤرخین، جنہوں نے اس وقت کو بیان کیا ہے ام موسیٰ کی اس حالت کو ذکر کرنے سے پہلوتہی کی ہے کہ کس طرح ان کی نگاہیں اس صندوق پر لگی رہیں جس میں ان کا جگر گوشہ پڑا تھا اور دریا کی موجیں اسے بہا کر دور لیجا رہی تھیں۔

لیکن بعض مورخین نے ان دردناک لمحات کی تصویر کشی کی ہے کہ جب صندوق ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوا اور ماحول کی وحشت نے انہیں خوفزدہ کیا تو پھر انہیں احساس ہوا کہ انہوں نے تو خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بچے کو دریا کی بے رحم موجوں کے سپرد کیا ہے۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ اپنے بچے کو فرعون کے پنجۂ استبداد سے بچانے کے لئے اس کے علاوہ انہیں کوئی اور تدبیر سوجھی ہی نہیں تھی۔ تب انہیں احساس ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے بچے کو فرعون کی چھری سے بچا کر مچھلیوں کے منہ میں ڈال دیا ہے۔

ثعلبی کا قول ہے۔

"جب آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریائے نیل میں ڈال دیا اور وہ ان کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئے تو شیطان آیا اور ان کے دل میں وسوسہ ڈالنے لگا۔ وہ دِل میں

---

۱ سورۃ طٰہٰ:۳۹

کہنے لگیں کہ میں نے اپنے بیٹے کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اگر میرے بیٹے کو قتل کر دیا جاتا تو میں اپنے ہاتھوں سے کفن پہنا کر اسے دفن کرتی یہ دریا میں پھینکنے اور اسے دریا کی مخلوق کی خوراک بنانے سے بہتر ہوتا"

میرے خیال میں یہ ان اسرائیلی روایات کا حصہ ہے جن کو عام کرنے میں ان یہودیوں کا بڑا کردار ہے جو بعد میں مسلمان ہوگئے۔ کیونکہ قرآن پاک میں اس شیطانی وسوسہ کا بالکل ذکر نہیں آیا۔ آیات قرآنی اس کی نفی کرتی ہیں کیونکہ قرآن پاک میں صراحتاً مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں دریائے نیل کے سپرد کیا تھا۔

ام موسیٰ علیہا السلام دریا کے کنارے پر ٹھہر جاتی ہیں۔ گھر جانے کو دِل نہیں چاہتا۔ آپ کا دِل اپنے بیٹے کی فکر میں ڈوبا ہوا ہے حتیٰ کہ آپ کی بیٹی مریم آپ کو تلاش کرتے ہوئے وہاں آجاتی ہے اور آپ کو دلاسہ دے کر گھر لے آتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں سکون اور طمانیت بخش دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"واصبح فواد ام موسیٰ فارغا، ان کادت لتبدی بہ لولا ان ربطنا علی قلبھا لتکون من المؤمنین" (۱)

"اور موسیٰ کی ماں کا دِل بیقرار ہوگیا قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دے اس راز کو اگر ہم نے مضبوط نہ کر دیا ہوتا اس کے دِل کو تاکہ وہ بنی رہے اللہ کے وعدہ پر یقین کرنے والی۔"

موجیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہا کر ایک باغیچہ کے قریب لے گئیں جو فرعون کے محل سے متصل واقع تھا۔ جہاں سے اس کی لونڈیاں پانی بھرا کرتی تھیں۔ جب ان کی نظر صندوق پر پڑی تو انہوں نے صندوق کو پکڑ لیا اور اپنی ملکہ سیدہ آسیہ زوجہ فرعون کے پاس لے گئیں۔ ان کا خیال تھا کہ اس میں ہیرے جواہرات پر مشتمل کوئی خزانہ ہوگا۔ پھر جب

---

۱ سورۃ القصص:۱۰

صندوق کھولا تو اس میں ایک انتہائی حسین وجمیل بچہ تھا جوسیدہ آسیہ علیھا السلام کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ جب انہوں نے غور سے دیکھا تو ان کا دل بچے پر فریفتہ ہوگیا انہیں ایسے محسوس ہوا کہ گویا یہ ان کا اپنا لختِ جگر ہے۔ ان کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی۔ کتنا خوبصورت تحفہ تھا جو آسمان سے ان کی محروم مامتا کو عطا ہوا، ابھی وہ اسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں کہ فرعون کے سپاہی پہنچ گئے اور مطالبہ کیا کہ بچہ ان کے حوالے کردیا جائے۔ انہوں نے حکماً فرمایا:

"واپس لوٹ جاؤ۔ اس بچے کا بنی اسرائیل سے کوئی تعلق نہیں۔"

جب آپ نے ان کے تردّد کو دیکھا تو کچھ نرم لہجہ میں بولیں اس کا معاملہ میرے سپرد کردو، میں فرعون کے پاس جاتی ہوں اور اُس سے اِس بچے کو اپنے لئے مانگ لیتی ہوں۔ اگر تو اس نے مجھے دے دیا تو ٹھیک اور اگر اس نے اس کے قتل کا حکم دیا تو تم اسے قتل کردینا۔ میں تمہیں کوئی ملامت نہیں کروں گی۔ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اٹھا کر فرعون کے پاس لے آئیں۔ اور کہنے لگیں۔

"قرة عين لی ولك لاتقتلوه عسى ان ينفعنا اونتخذه ولدا" (۱)

(اے میرے سرتاج) یہ بچہ تو میری اور تیری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک ہے۔ اسے قتل نہ کرنا شاید یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے اپنا فرزند بنالیں۔

فرعون نے جواب دیا یہ تمہاری آنکھوں کی تو ٹھنڈک ہوگا مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر اسے جلد ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا اور کہنے لگا کہ نہیں نہیں اس کو قتل کردو مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ بنی اسرائیل سے نہ ہو اور اسی کے ہاتھوں ہماری ہلاکت اور بادشاہت کی بربادی نہ ہو۔ لیکن حضرت آسیہ اپنی بات پر مُصر رہیں حتیٰ کہ فرعون نے ان کی بات مان لی اور بچہ ان کے سپرد کردیا۔ وہ معصوم بچے کو لے کر محل میں آگئیں۔ وہ خوشی سے پھولے نہ سمارہی تھیں۔ ادھر یہود کے محلّہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں اپنے دِل پر ہاتھ رکھے

۱؎ سورۃ القصص: ۹

بیٹھی تھیں جو لختِ جگر کے دوبارہ ملنے کی امید میں دھڑک رہا تھا۔ انہوں نے اپنی بیٹی سے کہا۔ مریم! اس کے پیچھے پیچھے جاؤ شاید تمہیں اس کے بارے میں معلوم ہوسکے۔ مریم اپنے بھائی کی تلاش میں پیدل چلتے چلتے دریائے نیل کے کنارے پہنچ جاتی ہے وہاں سے اسے معلوم ہوتا ہے کہ محل کی ملکہ کے پاس ایک چھوٹا سا بچہ ہے جو کسی عورت کا دودھ نہیں پیتا اس کے دِل نے کہا یہ ضرور اسی کا بھائی ہے۔ بڑی احتیاط کے ساتھ محل کے چکر لگانے لگیں۔ یہاں اسے حضرت آسیہ کی لونڈیوں نے دیکھ لیا جو دودھ پلانے والی عورتوں کی تلاش میں تھیں کہ شاید بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے۔ جب مریم کو اس کا علم ہوا اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پایا اپنے جذبات کو چھپاتے ہوئے بڑی احتیاط سے محل میں داخل ہوئیں اور بڑے محتاط انداز میں کہا۔

"هل ادلكم على اهل بيت يكفلونه لكم وهم له ناصحون" (۱)

کیا میں پتہ دوں ایسے گھر والوں کا جو اس کی پرورش کریں تمہاری خاطر اور وہ اس بچہ کے خیر خواہ بھی ہونگے۔

اس کی بات سن کر ان لوگوں کو کچھ شک پڑ گیا اور وہ اس سے مختلف سوالات کرنے لگے۔ کہنے لگے ہمارا خیال ہے تم کوئی بات چھپا رہی ہو۔ اس نے بڑی مستقل مزاجی سے جواب دیا میں تو تمہاری بھلائی چاہتی تھی۔ انہوں نے پوچھا شاید تجھے بچے کے اہل خانہ کا علم ہے وگرنہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ اس کے لئے خیر خواہ ہیں۔ اس نے جواب میں کہا بات تو انتہائی معمولی ہے۔ میں تو صرف یہ جانتی ہوں کہ وہ لوگ بڑے رحمدل اور نیک سرشت ہیں۔ وہ اس بچے پر شفقت کرتے ہوئے اور بادشاہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے دِل وجان سے بچے کی پرورش کی ذمہ داری قبول کرلیں گے۔ یہ بات سن کر انہیں کچھ یقین آگیا اور وہ بچے کو لے کر مریم کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ ادھر ام موسیٰ غم وحزن میں ڈوبی بیٹھی تھیں۔ ان کے

۱؎ سورۃ القصص: ۱۲

ذہن میں یہ خیال تک نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں کیسی خوشی اور سعادت عطا فرمانے والا ہے۔
جونہی ان کی نظر اپنے لخت جگر پر پڑی تو بے اختیار ان کی چیخ نکلنے لگی تھی لیکن انہوں نے اپنے
آپ پر قابو پالیا اور بڑے ضبط سے کام لیا۔ انہوں نے بڑی شفقت اور محبت سے بچے کو اپنے
سینہ سے لگایا۔ وہ لوگ بہت متعجب ہوئے کہ پہلے تو یہ بچہ کسی کا دودھ پیتا ہی نہ تھا اب یہ
دودھ پینے میں کسی طرح مگن ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام دودھ پی کر سیر ہوگئے تو یہ
لوگ ام موسیٰ کو ساتھ لے کر حضرت آسیہ کے پاس آئے اور انہیں سب کچھ بتایا۔ انہوں نے
ام موسیٰ سے کہا ہمارے بچے کو دودھ پلانے کے لئے تم ہمارے پاس ہی ٹھہرو۔ انہوں نے
جواب دیا اگر آپ اجازت دیں تو میں اسے اپنے گھر لے جاتی ہوں۔ اسے دودھ بھی پلاؤنگی
اوراس کی نگہداشت بھی کرونگی۔ مجھے خدشہ ہے کہ اگر میں نے اپنے گھر کو چھوڑ دیا تو میرے
بچے پریشان ہونگے۔ اس لئے میں اپنے گھر نہیں چھوڑ سکتی ظاہری طور پر ام موسیٰ کا یہ رویہ بڑا
عجیب لگتا ہے کہ وہ اپنے بچے کے ساتھ محل میں ٹھہرنا پسند نہیں کرتیں۔ لیکن اس میں کوئی تعجب
کی بات نہیں کیونکہ حالات مکمل طور پر ان کے حق میں تھے۔ موسیٰ علیہ السلام ان کے علاوہ کسی
اور کا دودھ نہیں پیتے تھے اور حضرت آسیہ کے اس بچے کے ساتھ انس سے بھی وہ آگاہ تھیں۔
اسی لئے وہ بچے کو گھر لیجانے پر مصر تھیں تاکہ محل کی فضا اور اس کے جاسوسوں سے دور رہ کر
اطمینان کے ساتھ اپنی ممتا کی پیاس بجھا سکیں۔

اگر وہ محل میں رہتیں تو ان کے سامنے دو ہی راستے تھے ایک پسندیدہ اور دوسرا
ناپسندیدہ۔ لیکن پسندیدہ راستہ تکلیف دہ تھا۔ ایک تو یہ تھا کہ وہ اپنے جذبات اور ممتا کو قابو
میں رکھتیں تاکہ کسی کو ان کے بارے میں شک نہ ہوتا۔ لیکن یہ ان کے بس کی بات نہ تھی اور
دوسرا یہ تھا کہ وہ اپنی ممتا کا کھل کر اظہار کرتیں اور اس طرح اپنے ہاتھوں سے اپنے بچے کو
قاتلوں کے سپرد کردیتیں۔ انہیں اپنے رب کی رحمت پر بھی پورا بھروسہ تھا۔ اس لئے انہوں

نے اپنے اور اپنے بیٹے کی بھلائی کی خاطر اپنے گھر ہی کا انتخاب کیا۔ ثعلبی کا قول ہے۔
"ام موسیٰ علیہا السلام کو اپنے رب کا وعدہ یاد تھا اس لئے وہ حضرت آسیہ کی بات
ماننے پر تیار نہ ہوئیں کیونکہ انہیں پورا یقین تھا کہ ان کا رب ان کے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کو
ضرور پورا کرے گا۔"

حضرت آسیہ کو بھی ام موسیٰ علیہ السلام کی بات ماننے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ تھا
کیونکہ وہ بچے کی زندگی کی حریص تھیں۔ اس لئے بچہ ساتھ لیجانے کی اجازت دے دی۔ اس
طرح ام موسیٰ جناب موسیٰ علیہ السلام کو لے کر گھر آگئیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ قصص میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے۔

"واوحینا الی ام موسیٰ.......... الخ"

اور ہم نے الہام کیا موسیٰ کی والدہ کی طرف کہ اسے (بے خطر) دودھ پلاتی رہ۔
پھر جب تمہیں اس کے متعلق اندیشہ لاحق ہو تو ڈال دینا اسے دریا میں اور نہ ہراساں ہونا اور
نہ غمگین ہونا۔ یقیناً ہم لوٹا دیں گے اسے تیری طرف اور ہم بنانے والے ہیں اسے رسولوں
میں سے۔ پس دریا سے نکال لیا اسے فرعون کے گھر والوں نے تاکہ (انجام کار) وہ ان کا
دشمن اور باعث رنج والم بنے۔ بے شک فرعون، ہامان اور ان کے لشکری خطا کار تھے۔ کہا
فرعون کی بیوی نے (اے میرے سرتاج) یہ بچہ تو میری اور تیری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک
ہے۔ اسے قتل نہ کرنا، شاید یہ ہمیں نفع دے یا ہم اسے اپنا فرزند بنالیں۔ اور وہ (اس تجویز کے
انجام کو) نہ سمجھ سکے۔ اور موسیٰ کی ماں کا دِل بیقرار ہوگیا۔ قریب تھا کہ وہ ظاہر کردے اس راز
کو اگر ہم نے مضبوط نہ کردیا ہوتا اس کے دِل کو تاکہ وہ بنی رہے اللہ کے وعدہ پر یقین کرنے
والی اور اس نے کہا موسیٰ کی بہن سے کہ اس کے پیچھے پیچھے ہولے، پس وہ اسے دیکھتی رہی
دور سے اور وہ اس (حقیقت کو) نہیں سمجھتے تھے۔ اور ہم نے حرام کردیں اس پر ساری دودھ

پلانے والیاں اس سے پہلے تو موسیٰ کی بہن نے کہا، کیا میں پتہ دوں تمہیں ایسے گھر والوں کا جو اس کی پرورش کریں تمہاری خاطر اور وہ اس بچہ کے خیر خواہ بھی ہونگے۔ تو اس طرح ہم نے لوٹا دیا اس کو اس کی ماں کی طرف تاکہ اسے دیکھ کر اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور اس کے فراق میں غمزدہ نہ ہو اور وہ یہ بھی جان لے کر بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔ اور جب پہنچ گئے موسیٰ اپنے شباب کو اور ان کی نشوونما مکمل ہوئی تو ہم نے حکمت اور علم عطا فرمایا اور ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو"۔ (۱)

اور سورۃ طٰہٰ میں یوں بیان فرمایا۔

قال قد اوتیت سؤلك یا موسٰی ....الخ (۲)

"جواب ملا، منظور کر لی گئی ہے آپ کی درخواست، اے موسیٰ علیہ السلام! اور ہم نے احسان فرمایا تھا تم پر ایک بار پہلے بھی جب ہم نے وہ بات الہام کی تمہاری ماں کو جو الہام کیے جانے کے قابل تھی۔ یہ کہ رکھ دو اس معصوم بچے کو صندوق میں پھر ڈال دو اس صندوق کو دریا میں پھینک دے گا اسے دریا ساحل پر۔ پھر پکڑے گا اسے وہ شخص جو میرا بھی دشمن ہے اور اس بچے کا بھی دشمن ہے (اور اے موسیٰ) میں نے پرتو ڈالا تجھ پر محبت کا اپنی جانب سے (تاکہ جو دیکھے فریفتہ ہو جائے) اور اس تدبیر کا منشاء یہ تھا کہ آپ کی پرورش کی جائے میری چشم کرم کے سامنے۔ یاد کرو جب چلتے چلتے آئی تمہاری بہن اور کہنے لگی۔ (فرعون کے اہل خانہ سے) کیا میں تمہیں بتاؤں وہ آدمی جو اس کی پرورش کر سکے۔ پس یوں ہم نے آپ کو لوٹا دیا آپ کی ماں کی طرف تاکہ وہ آپ کو دیکھ کر اپنی آنکھ ٹھنڈی کرے اور غمناک نہ ہو۔ ہ (جب) تو نے مار ڈالا تھا ایک شخص کو پس ہم نے نجات دی تھی تمہیں غم واندوہ سے۔ ہم نے تمہیں اچھی طرح جانچ لیا تھا۔ پھر تم ٹھہرے کئی سال اہل مدین میں۔ پھر آ گئے ایک مقررہ وعدہ پر اے موسیٰ!"

---

۱ سورۃ القصص: ۷۔۱۴ ۲ سورۃ طٰہٰ: ۳۸۔۴۰

اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں پر وحی نازل ہوئی۔ اور آسمانی وحی کے ذریعہ ایک اہم فریضہ ان کے سپرد کیا گیا اور یہ فریضہ اس بچے کو فرعون کے ظلم واستبداد سے بچانا تھا۔ جس سے عرصہ دراز سے بنی اسرائیل کا کوئی بچہ محفوظ نہیں تھا۔ کیونکہ اسی بچے کو بڑے ہو کر جلیل القدر پیغمبر ہونے کا شرف حاصل ہونا تھا۔

اُم مسیح علیہ السلام وعلیہا

"جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ بشارت دیتا ہے تجھے ایک حکم کی اپنے پاس سے اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام وعلیہا ہوگا، معزز ہوگا دنیا وآخرت میں اور اللہ کے مقربین میں سے ہوگا۔" (سورۃ آل عمران: ۴۵)

کون عیسیٰ علیہ السلام!

وہ عیسیٰ جن کو قران پاک نے ان کی ماں کی طرف منسوب کر کے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام وعلیہا کہا ہے۔ ماؤں کا یہ حق ہے کہ وہ اس نسبت پر فخر کریں۔ حضرت مریم علیہا السلام ہی وہ ماں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ بنا کر عالم کی تمام عورتوں میں سے چن لیا۔

حضرت مریم علیہا السلام کی مامتا کا قصہ بڑا اثر آفرین ہے۔ آپ کو بڑے مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ کی پیدائش ایک مذہبی گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے والد بنی اسرائیل کے بہت بڑے عالم تھے۔ جب آپ کی ماں امید سے ہوئیں تو انہوں نے نذر مانی کہ میرے ہاں جو بچہ پیدا ہوگا اسے میں بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کرونگی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اذ قالت امرأة عمرٰن رب انی نذرت لك ....الخ" (۱)

"جب عرض کی عمران کی بیوی نے اے میرے پروردگار! میں نذر مانتی ہوں تیرے لئے جو میرے شکم میں ہے (سب کاموں سے) آزاد کر کے تو قبول فرمالے (یہ نذرانہ) مجھ سے بے شک تو ہی (دعائیں) سننے والا (نیتوں کو) جاننے والا ہے۔ پھر جب اس نے جنا اسے (حیرت وحسرت سے) بولی اے ربّ! میں نے تو جنم دیا ایک لڑکی کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو اس نے جنا اور نہیں ہے لڑکا (جس کا وہ سوال کرتی تھی) مانند اس لڑکی

۱ سورۃ آل عمران: ۳۵_۳۷

کے اور (ماں نے کہا) میں نے نام رکھا ہے اس کا مریم، میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود (کے شر) سے۔ پھر قبول فرمایا اسے اس کے رب نے بڑی اچھی قبولیت کے ساتھ اور پروان چڑھایا اسے اچھا پروان چڑھانا اور نگران بنادیا اس کا زکریا کو جب بھی جاتے مریم کے پاس زکریا تو اس عبادت گاہ میں موجود پاتے کھانے کی چیزیں (ایک بار) بولے اے مریم! کہاں سے تمہارے لئے آتا ہے یہ (رزق) مریم بولی یہ اللہ پاک (کی جناب) سے آتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے بے حساب۔"

بچپن میں ہی ان کے والد عمران کا انتقال ہوگیا۔ اب ان کے اعزہ واقارب میں اس بات پر اختلاف ہوگیا کہ ان کی کفالت کون کرے گا۔؟ اس کا فیصلہ کرنے کے لئے انہوں نے قرعہ ڈالا۔ چنانچہ قرعہ نکلنے پر آپ کی کفالت کی ذمہ داری آپ کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو قران پاک میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔

"ذ لك من انباء الغيب نوحيه اليك .... الخ" (۱)

"(یہ واقعات) غیب کی خبروں میں سے ہیں ہم وحی کرتے ہیں اس کی آپ کی طرف اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب وہ پھینک رہے تھے۔ (مجاور) اپنی قلمیں (یہ فیصلہ کرنے کیلئے کہ) کون ان میں سے سرپرستی کرے مریم کی اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔"

حضرت مریم علیہا السلام اپنی والدہ کی نذر کو پورا کرنے کے لئے بیت المقدس کی خدمت کے ساتھ ساتھ شب وروز عبادت میں مشغول رہتیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی ایک عظیم امانت کی سپرداری کے لئے منتخب کرلیا۔ ایک دن آپ خلوت میں

۱ سورۃ آل عمران: ۴۴

مناجات الٰہی میں محو تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشارت دینے کے لئے ایک فرشتہ بھیجا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"بکلمة منه اسمه المسیح عیسیٰ بن مریم وجیها فی الدنیا والآخرة ومن المقربین" (۱)

"(ایک حکم کی اپنے پاس سے اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا جو معزز ہوگا دنیا وآخرت میں اللہ کے مقربین سے ہوگا)"

جیسے ہی آپ نے یہ خوشخبری سنی تو آپ پر لرزہ طاری ہوگیا۔ آپ نے بڑی عاجزی اور انکساری سے بارگاہ صمدیت میں عرض کی۔

"قالت انّٰی یکون لی غلام ولم یمسسنی بشر ولم اك بغیا......الخ (۲)

"مریم (حیرت سے) بولیں (اے بندہ خدا!) کیونکر ہوسکتا ہے میرے ہاں بچہ حالانکہ نہیں چھوا مجھے کسی بشر نے اور نہ میں بدچلن ہوں۔ (جبریل نے) کہا یہ درست ہے (لیکن) تیرے رب نے فرمایا یوں بچہ دینا میرے لئے معمولی بات ہے اور (مقصد یہ ہے کہ) ہم بنائیں اسے اپنی قدرت کی نشانی اور لوگوں کے لئے سراپا رحمت اپنی طرف سے اور یہ ایسی بات ہے جس کا فیصلہ ہوچکا ہے۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سن کر اس کی قضاوقدر کے سامنے سر جھکا دیا۔ چند ہی دنوں بعد آپ نے اپنے پیٹ میں بچے کے آثار محسوس کئے۔ ایک کنواری اور پاکدامن عورت کے لئے یہ احساس کس قدر تکلیف دہ تھا۔ رسوائی اور شرمندگی کے ڈر سے آپ شہر سے دور نکل گئیں اور ایک ایسی وادی میں مقیم ہوگئیں جسے چرواہوں نے گھاس نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ رکھا تھا۔ جب بچے کی ولادت کا وقت قریب آیا تو آپ کھجور کے تنے کا سہارا لے کر بیٹھ گئیں۔ اسی عالم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں جلوہ افروز ہوئے۔ آپ نے ان

---

۱ سورۃ آل عمران: ۴۵ ۲ سورۃ مریم: ۲۰_۲۲

لحات میں فرمایا۔

"یلیتنی مت قبل هذا وکنت نسیًا منسیًا" (۱)

(بصد حسرت و یاس) کہنے لگی کاش میں مرگئی ہوتی اس سے پہلے اور بالکل فراموش کردی گئی ہوتی)۔

پھر وہی ہوا جو ہونا تھا۔

"فاتت به قومها تحمله.............. الخ"

"اس کے بعد وہ لے آئی بچے کو اپنی قوم کے پاس (گود میں) اٹھائے انہوں نے کہا اے مریم! تم نے بہت ہی برا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدچلن تھی"۔

لوگ حضرت مریم علیہا السلام کی عفت اور پاکیزگی کو جانتے تھے۔ انہوں نے اس کی طرف توجہ نہ دی اور نہ اس معصوم بچے سے رونما ہونے والے معجزہ کا خیال رہا۔ انہوں نے آپ پر بڑی سنگین تہمت لگا دی۔ آپ نے بڑے صبر وتحمل سے اسے برداشت کیا۔ اپنے رب کی قضاء وقدر سمجھتے ہوئے بڑی ہمت سے مقابلہ کیا اور اپنے اس عظیم بچے کی خاطر ان مصائب کو جھیلا جو موت سے بھی زیادہ سخت تھے۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ مخالفین کے مکر اور ان کی اذیت سے بچنے کے لئے آپ اپنے بچے کو مصر لے گئیں۔ آپ وہاں بارہ سال مقیم رہیں۔ آپ نے وہاں اپنے بچے کی پرورش کی خاطر سوت کاتا اور کھیتوں سے گندم کی بالیں چنیں۔ وہ کیا سماں ہوگا جب آپ کے ایک کندھے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے کندھے پر بالیوں کا گٹھا ہوتا ہوگا۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھوڑے سے بڑے ہوئے تو آپ انہیں مدرسہ لے گئیں اور تعلیم وتربیت کے لئے ایک معلم کے سپرد کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں یروشلم جانے کا

---

۱ سورۃ مریم: ۲۳ ۲ سورۃ مریم: ۲۷_۲۸

حکم فرمایا تاکہ وہاں شریعت موسوی کے مطابق اس کی عبادت کریں۔ وہاں آپ ناصرہ نامی گاؤں میں مقیم ہوگئیں اور یہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پروان چڑھ کر جوان ہوئے۔ آپ جب کوئی خواب دیکھتے تو اس کا ذکر اپنی والدہ سے کرتے۔ مصائب و آلام میں وہ آپ کا واحد سہارا تھیں۔ آپ ان کو تسلی دیتیں اور ان کی حوصلہ افزائی کرتیں۔

انجیل برنا باس نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر انتیس برس ہوئی تو ایک دن آپ اپنی والدہ کے ساتھ جبل زیتون پر زیتون کے پھل چننے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ وہاں آپ کو خواب میں آگاہ کیا گیا کہ آپ کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ آپ نے اس کا ذکر اپنی والدہ سے کیا اور انہیں یہ بھی بتایا کہ مجھے اس راہ میں بڑے مصائب برداشت کرنا پڑیں گے اور عرض کیا کہ اب وہ اس کے بعد ان کے ساتھ مقیم نہیں رہ سکتے اور نہ ہی ان کی خدمت کا حق ادا کرسکتے ہیں۔

حضرت مریم علیہ السلام نے جب یہ بات سنی تو فرمایا بیٹا! تمہاری پیدائش سے پہلے ہی مجھے ان تمام باتوں سے آگاہ کردیا گیا تھا۔ اللہ کا پاک نام ہی عظمت اور رفعت کے لائق ہے۔ اسی دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کو چھوڑ کر چلے گئے اور اپنے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں مشغول ہوگئے۔ تین سال تک آپ کی والدہ نے آپ کا ساتھ دیا اور اس دوران انہوں نے آپ کی اس عظیم مقصد کے لئے تربیت کی جس کی وہ منتظر تھیں۔ وہ اپنی والدہ کو چھوڑ کر تو چلے گئے لیکن وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہمیشہ کے لئے اس کی نشانی بن گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وجعلنا ابن مریم و اُمه اٰیة ...." (۱)

(اور ہم نے بنادیا (عیسیٰ) بیٹے مریم کے کو اور اس کی ماں کو (اپنی قدرت کی) نشانی)

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

"وجعلنها وابنها اٰیة للعالمین ...." (۲)

(اور ہم نے بنادیا اسے (مریم) اور اس کے بیٹے (عیسیٰ) کو نشانی دونوں جہان کے لئے)

انبیاء کرام علیہم السلام کی ماؤں کی تاریخ کے سلسلہ زریں کی آخری کڑی حضرت آمنہ بنت وہب ہیں جو خاتم النبیین، حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ ﷺ کی والدہ ماجدہ ہیں۔

---

۱ سورۃ المومنون:۵۰ ۲ سورۃ الانبیاء:۹۱

باب دوم

بیت عتیق

بنوزہرہ

بیتِ عتیق

''جب ہم نے مقرر کردی ابراہیم کیلئے اس گھر (تعمیر کرنے) کی جگہ اور حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کیلئے پاک صاف رکھنا۔ اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو جو دور دراز علاقوں سے پیدل اور سواریوں پر آئیں گے۔ اعلان کردو کہ وہ مقررہ دنوں میں حاضری دیں اور اللہ کا ذکر کریں تا کہ ان کو فائدہ پہنچے۔'' (سورة الحج 28-26)

لبيك اللهم لبيك!

یہ وہ عظیم ترانہ ہے جو صدیوں سے آسمان کی بلندیوں میں گونج رہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت (اللهم لبيك) کی آواز سنکر لاکھوں لوگ دور دراز سے حج کی ادائیگی کا ارادہ کرتے ہیں۔ بعد میں اللهم لبيك کی اِسی دعوت کو آج سے چودہ سو سال پہلے حضور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے دہرایا جو سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے عبداللہ رضی اللہ عنہ کے گھر پیدا ہوئے۔

اے دنیا کی سماعتو!

اے دنیا کی بصارتو!

آپ نے کتنے عبادت گزاروں کی صدائیں سنیں!

مخلوق خدا کی رنگینیوں کے کیا کیا مناظر دیکھے!

کتنے چہروں کو تم نے دیکھا!

تم سے پہلے کتنے علَم بلند ہوئے!

تمہاری آنکھوں کے سامنے اِس خطہ زمین پر کتنے لوگوں کے سر جھکے جو اِس وادی کے وسط اور سیاہ چٹانوں اور وسیع پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔

یہ سلسلہ اُس وقت سے جاری ہے جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کیلئے اس گھر کو سکون کی جگہ پناہ گاہ اور اجتماع کا گھر بنایا۔

جہاں ہر غمزدہ چین پاتا ہے۔

ہر پریشان کو سکون ملتا ہے۔

ہر قاتل اور مجرم کو امان ملتی ہے۔

وہ زندگیاں جنہیں زمانے کے وحشی قوانین کی بھینٹ چڑھایا جا رہا ہوا انکے لیے سایہءِ امان ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔

''بے شک پہلا عبادت خانہ جو بنایا گیا لوگوں کیلئے وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ بڑا برکت والا ہدایت کا سرچشمہ ہے ۔دونوں جہانوں کیلئے اسمیں روشن نشانیاں ہیں۔ ان میں سے ایک مقام ابراہیم ہے۔ جو بھی اسمیں داخل ہوتا ہے ہر خطرے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔''

اے دنیا کے مؤرخو!

آپ دنیا کے ہر ہر گھر کو جانتے ہیں۔ آپ نے مشرق ومغرب کی قدیم وجدید روایات کو دیکھا۔ آپ نے حج کرنے والوں ، طواف کرنے والوں اور عبادت گزاروں کو دیکھا۔ خدا کا یہ گھر ازل سے ابد تک منارہ نور ہے جس کی ازلی روشنی دور دراز تک پھیلی ہوئی ہے۔

اے زمانے والو!

کون جانتا ہے کہ یہ خطہ زمین کسقدر قابل قدر تھا۔ ہزاروں سال قبل

کے کیلنڈر کے متعلق کسے یقین ہے۔

یہ وہ وقت تھا جب بدؤوں کے قافلے جو شمال اور جنوب سے آتے ہوئے حجاز کے اس چھوٹے سے ٹکڑے میں رُکتے اور پھر خوفناک صحرا کی طرف روانہ ہو جاتے۔

اے دنیا کے تاریخ دانو!

کون یقین سے کہہ سکتا ہے کہ کتنی انسانی نسلیں چل بسیں۔ مکے میں بسنے کی خواہش میں کس کس نے صحرا کا سفر اور وادی کو عبور کیا ہوگا۔

امن کے متلاشی وحشی صحرا کے تکلیف دہ سفر کے دوران سکون اور اطمینان حاصل کرنے کیلئے یہاں قیام کیا کرتے تھے۔ کسے معلوم کہ صحرا کا یہ حصہ کب سے عبادت کی جگہ رہا ہے۔

لوگوں نے جنت کے ساتھ اس کے بالواسطہ تعلق کو محسوس کیا۔ بڑی انکساری سے حج کی طرف مائل ہوئے اور خدا کی بارگاہ میں التجا کی اور طواف کرنا شروع کیا۔ یہ خطہ زمین انکے لئے سب سے زیادہ مقدس اور امن کا گہوارہ بن گیا۔

اے زمانے والو! صرف ایک پڑاو سے مکہ مکرمہ تمام قبائل کیلئے تہوار کی جگہ کیسے بنا۔

شمال وجنوب کے قبائل اور دنیا کے لوگ اسوقت وہاں آتے تھے جب نقل وحمل کا واحد ذریعہ اونٹ تھے۔ دنیا کی اس گہما گہمی میں اس خطہ زمین کا کیا کردار تھا، جس نے سب کو وہاں جمع کر رکھا تھا۔ جب مشرق سے بھارت، ایران اور چین، جنوب سے یمن اور حبشہ اور مغرب سے مصر اور وادی نیل سے اپنا تجارتی سامان بحیرہ احمر اور بحیرہ ابیض کے ذریعے لے جاتے تھے۔

اے زمانے والو! تمہارے علاوہ ہمیں یہ معلومات کون فراہم کرسکتا ہے؟ کون جانتا

ہے کہ صحرا کا یہ حصہ مذہب کا مرکز کیوں بنا؟ جو ترقی کرتے ہوئے عبادت کی جگہ اور انکی امیدوں کا محور بن گیا۔ بدوی لوگ زندگی سے بیزار ہو کر ایک ایسے معاشرے کا قیام چاہتے تھے، جس کی بنیاد انصاف اور مساوات پر ہو۔ عرب کی مرقوم تاریخ ہمیں بڑی عجیب معلومات فراہم کرتی ہے لیکن اس کو یہاں مکمل طور پر بیان کرنا مشکل ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ لوگوں کے اندر زمانہ قدیم سے ہی بیت اللہ کے متعلق بے حد احترام تھا۔

اس تاریخ کے متعلق محققین کی رائے کچھ بھی ہو ہمیں عرب تاریخ قبل از اسلام کو جاننے کیلئے صرف اس کے منبع و مراجع ہی پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔

چونکہ ہمارے پاس ان روایات کے علاوہ کوئی تاریخی مواد حوالے کے طور پر موجود نہیں ہے، اور ان تاریخی روایات میں ایسی روایات بھی ہیں جن کے لیے ہمیں قرآن مجید احادیث صحیحہ اور مضبوط آثار کی تائید حاصل ہے۔ ان شہادتوں کی روشنی میں ہم مکہ کے معاشرے میں انقلاب کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ اس ماحول کے ذریعے سے ہم اُن اسباب تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں جنہوں نے اس ماں کی شخصیت کو اجاگر کیا جس نے محمد عربی ﷺ کو جنم دیا۔

مکہ مکرمہ کی دینی تاریخ کب شروع ہوئی؟

بعض مورخین نے اس سلسلے کو حضرت شیث بن آدم علیہ السلام سے منسلک کیا ہے۔ لیکن ہماری کتابیں اس قدیم زمانے کو بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ یہ صحرا کا سفر کرنے والے قافلوں کیلئے ایک عارضی قیام گاہ تھی۔ پھر یہ شمال اور جنوب کے درمیان تجارتی منڈی بنی۔ جیسا کہ ہم پڑھتے ہیں کہ وہ قدیم زمانے میں بھی عبادت کی جگہ تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وہاں جانے اور اپنے بچے کو وہاں چھوڑنے سے پہلے یہ مقام عبادت گاہ کا درجہ حاصل کر چکا تھا۔ طوفان نوح سے پہلے یہ عبادت بت پرستی میں بدل

چکی تھی اور اس گھر کی پاکیزگی پراگندہ ہو گئی تھی۔

قرآن اس کا تذکرہ یوں کرتا ہے۔

"بے شک پہلا عبادت خانہ جو بنایا گیا لوگوں کیلئے وہی ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے بڑا برکت والا ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ دونوں جہانوں کیلئے اسمیں روشن نشانیاں ہیں۔ ان میں سے ایک مقام ابراہیم ہے۔ جو بھی اسمیں داخل ہوتا ہے ہر خطرے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔"

قرآن نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور ان کے بتوں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

قرآن کہتا ہے۔

"بے شک ہم نے بھیجا حضرت نوح علیہ السلام کو انکی قوم کی طرف اور فرمایا اے نوح خبردار کر دو اپنی قوم کو قبل اس کے کہ ان پر دردناک عذاب نازل ہو۔" (سورۃ نوح)

"یہ وہ بت تھے جن کی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پرستش کرتی تھی۔ پھر یہی نام قدیم عرب دیوتاؤں کی طرف منسوب کر دیئے گئے۔"(۱)

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کے ساتھ یہاں آئے اور یہاں سے اہل عرب، بیت اللہ اور مکہ کی تاریخ کے نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ قران کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اُس بنجر وادی میں ٹھہرنے کی جگہ کو بیان کرتا ہے۔ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ وہ لوگوں کی توجہ انکی بیوی اور بیٹے کی طرف مبذول کروائیں جن کو اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ گھر کے قریب بسا دیا گیا تھا۔

اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سب سے عظیم قربانی اور کعبۃ اللہ کا تذکرہ بھی قرآن میں موجود ہے۔ بیت اللہ کی تعمیر کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو حج کی دعوت دی۔ لبیك اللهم لبیك کا ترانہ اُسی زمانے سے کانوں میں گونج رہا ہے۔ اس ترانے کو سننے کے بعد مکہ مکرمہ کی وادی اور پہاڑ وجد میں آ جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اکھڑ مزاج صحرائی بدو بھی

---

۱ ابن کلبی، الاصنام ۱۳/۶

انکساری سے سر جھکا لیتے ہیں۔

ہمارے قدیم مورخین نے مکہ مکرمہ کی عزت وعظمت پر کئی جلدیں رقم کی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بنو جرھم جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کے ماموں تھے وہ بیت اللہ کے متولی تھے۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد مزید پروان چڑھی اور مکہ مکرمہ کی حدود ان کے لئے تنگ ہوگئی تو وہ بیت اللہ کی خدمت کی تمام تر ذمہ داری بنو جرھم پر ڈال چلے گئے۔ ان کے ذہن میں دو بڑے مقاصد تھے۔ ایک ان سے قریبی رشتہ داری اور دوسرا مکہ کی عزت وعظمت کا احساس۔ وہ اس مقدس خطہ زمین پر کوئی فتنہ وفساد نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ لیکن جیسے ہی اُس کا اختیار بنو جرھم کو ملا تو انہوں نے ظلم وبربریت کی انتہا کردی اور بیت اللہ شریف کیلئے دی گئی ساری دولت نگل گئے۔

''مکہ مکرمہ کے اندر کسی ظلم اور بغاوت کی کوئی گنجائش نہیں، جو بھی تجاوز کرتا ہے۔ وہ اُسے اٹھا کر باہر پھینک دیتا ہے۔ جس بھی بادشاہ نے اُسے میلی نظر سے دیکھا اس کو نیست ونابود کردیا گیا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس کو ''بکہ'' کا نام دیا گیا ہے۔ جس کا مطلب ہی ہر جارحیت کو آسانی سے کچل دینے کے ہیں۔ اس طرح بنو جرھم کے جارح بھی بڑی تذلیل کے بعد وہاں سے نکال دیئے گئے۔

(سیرت ابن ہشام۔ نہاۃ العرب)

یہ روایت کیا جاتا ہے۔ کہ جب ''تُبع خیری'' یمن جاتے ہوئے مکہ کے قریب سے گزرا تو بنو حزیل بن مدرکہ بن الیاس کے لوگ اس کے پاس آئے اور کہا۔

''کیا ہم آپ کو ایک ایسے گھر سے آگاہ نہ کریں جو ہیرے، جواہرات اور موتیوں سے مزین ہے۔''

اس نے کہا، ہاں مجھے بتائیے۔

انہوں نے کہا۔

''مکہ مکرمہ کے اندر ایک ایسا گھر ہے جہاں لوگ عبادت کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ لوگ تُبع کو ہلاک کروانا چاہتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ بیت اللہ کے متعلق جس کی نیت بھی بُری ہو وہ برباد ہوجاتا ہے۔''

امام سُہیلی کہتے ہیں۔

''تبع جب بیت اللہ پر حملے کیلئے روانہ ہوا تو وہ ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہوگیا جس میں اس کے سر میں پیپ اور چھالے پڑ گئے۔ ان کی بدبو اتنی شدید تھی کہ کوئی بھی شخص اُس کے قریب بھی نہیں جاتا تھا کچھ لوگوں نے آندھی کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس سے اس کے ہاتھ پاؤں سوج گئے۔ اور اس آندھی سے اندھیرا چھا گیا۔ وہ بڑے بڑے نامور طبیبوں کے پاس گیا تاکہ اس کا علاج کرواسکے۔ وہ اُس بیماری سے خوفزدہ ہوگئے اور کچھ بھی علاج تجویز نہ کرسکے۔ حتیٰ کہ دو یہودی عالم اُس کے پاس آئے تاکہ معلوم کرسکیں کہ کہیں وہ بیت اللہ کی بے حرمتی کا مرتکب تو نہیں ہوا۔ اس نے کہا ہاں میں اسے گرانا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ بنو حزیل کے کچھ لوگوں نے مجھے بتایا تھا کہ اسمیں کچھ قیمتی ہیرے اور سونا رکھا ہے۔ تب انہوں نے کہا کہ دراصل وہ لوگ تمہیں اور تمہارے لشکر کو ہلاک کرنا چاہتے تھے۔ ہمارے علم کے مطابق روئے زمین پر ایسا کوئی دوسرا گھر نہیں جو خالصتاً ذات خداوندی کیلئے مخصوص ہو۔ اگر آپ نے اپنی اصلاح نہ کی تو اپنے لشکر سمیت تباہ وبرباد ہوجاؤ گے۔ انہوں نے اسکو نصیحت کی کہ وہ وہاں جاکر عام لوگوں کی طرح طواف کرے، عزت وتکریم بجالائے اور عاجزی وانکساری سے دُعا کرے۔

بادشاہ نے اس نصیحت کا بہت بڑا اثر لیا اور حکم دیا کہ بنو حزیل کے اُن لوگوں کو گرفتار کرکے اُن کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ پھر اُس نے بیت اللہ کا طواف کیا اور بال

کٹوائے۔ اس نے وہاں چھ دن تک قیام کیا۔ وہ روزانہ وہاں جانور ذبح کرتا اور اہل مکہ کی شہد سے تواضع کرتا۔ پھر اس نے بیت اللہ پر ایک خوبصورت غلاف چڑھایا۔ کہا جاتا ہے کہ خدا کے گھر کے احترام کی وجہ سے اسے بیماری سے نجات مل گئی اور وہ شفایاب ہوگیا۔''

امام سُہیلی اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اِسے صحیح روایت قرار دیتے ہیں۔

چونکہ قرآن کہتا ہے کہ۔

''اور جو اس میں ناحق زیادتی کا ارادہ کرے تو اُسے ہم درد ناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔'' (سورۃ الحج 25)

امام سُہیلی نے تبع کے چند اشعار نقل کئے ہیں۔

''ہم نے خوبصورت یمنی چادر سے اللہ کے گھر کو غلاف چڑھایا۔ ہم نے اس وادی میں چھ ہزار جانور ذبح کئے اور لوگوں کو اُن جانوروں کی طرف آتے دیکھا۔ پھر ہم نے پرامن انداز میں اس گھر کو چھوڑا اور اپنا جھنڈا الہرایا۔

ہم اُن ہاتھی والوں کے متعلق بھی گفتگو کریں گے جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے نیست و نابود کردیا تھا۔ یہ واقعہ اُسی سال کا ہے جب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے گھر پیدا ہوئے۔ ہم حضرت عائشہؓ کے اس قول سے بیت اللہ کی عزت وعظمت اور احترام کا اندازہ کرسکتے ہیں۔

''ہمیں اپنے آباواجداد سے اس بات کا علم ہوا کہ اساف اور نائلہ (زمانہ قدیم کے دو بت) دراصل بنوجرھم کے ایک مرد اور عورت تھے۔ یہ بیت اللہ میں برائی کے مرتکب ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے چہرے مسخ کرکے پتھر بنادیئے''

اس روایت کو ابن اسحاق نے ''سیرۃ النبویہ'' میں، ابن کلبی نے ''الاصنام'' میں اور یاقوت نے ''معجم البلدان'' میں بیان کیا ہے۔

ہم بیت اللہ کی عظمت کا اندازہ ابن ہشام کی اِس روایت سے بھی کرسکتے ہیں۔

''سب سے پہلے پتھر کی پوجا کا آغاز اُس وقت ہوا جب اہل مکہ دوسرے علاقوں میں قیام پذیر ہوئے۔ وہ بیت اللہ کی عظمت کو وہاں بھی برقرار رکھنے کیلئے اپنے ساتھ بیت اللہ کا ایک پتھر لے گئے اور اسے مقدس سمجھ کر اسی طرح اس کا طواف شروع کردیا جس طرح بیت اللہ کا کرتے تھے۔''

بیت اللہ کی خدمت اُن کیلئے بڑا اعزاز تھا، والدین زمانہ قدیم سے ہی بچوں کو کعبہ کی خدمت کیلئے وقف کردیا کرتے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ بنوجرھم کی ایک عورت کے ہاں اولاد نہیں تھی۔ اس نے منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ اُسے اولاد نرینہ عطا فرمائے تو وہ اُسے بیت اللہ کی خدمت کیلئے وقف کردے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک بیٹا دیا جس کا نام غوث بن مُر رکھا گیا۔ وہ اپنے ننھیال والوں کے ساتھ ملکر کعبہ کی خدمت کرتا تھا۔

اس عورت نے کہا ''اے میرے پروردگار! میں نے اپنا بیٹا اُس عظمت والے کعبے کی خدمت کیلئے وقف کردیا ہے۔ لہٰذا مجھے برکت عطا فرما اور اسکو سب سے نیک بنادے''

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں کی نظر میں بیت اللہ کی کتنی عزت وحرمت تھی اور اس کی خدمت کا درجہ کتنا بلند تھا۔ بسا اوقات اس شرف کے حصول کیلئے جنگیں بھی ہوجاتی تھیں۔ بنوخزاعہ اور بنوجرھم کے درمیان جنگ ہوئی اور ان کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا گیا اور بیت اللہ کی تولیت ان کے قبضے میں آگئی۔ یہ امانت نسل درنسل وراثت کے طور پر آگے منتقل ہوتی رہی۔ حتی کہ قصی بن مُرہ بن کعب نے اسے حاصل کرلیا۔ قصی کا باپ بچپن میں ہی فوت ہوچکا تھا۔ اس کی ماں فاطمہ بنت سعد ازدیہ نے ربیعہ بن حرام سے نکاح کرلیا تھا۔ اور اس کو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ جبکہ قصی کا بھائی زہرہ بن کلاب جو کہ چھوٹا تھا اس وقت مکہ مکرمہ میں رہ گیا۔

قصی اپنے وطن سے دور بنو قضاعہ میں پروان چڑھا۔ وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ وہ ربیعہ کا بیٹا ہے۔ ایک دن جب بنو قضاعہ کے ایک شخص نے اسے یہ کہہ کر غصہ دلایا کہ تم ہمارے قبیلے کے فرد نہیں ہو تو وہ اس سے لڑ پڑا۔ وہ اپنی ماں کے پاس آیا اور اپنے متعلق حقیقت پوچھی۔ ماں نے کہا ہاں تم اس قبیلے کے فرد نہیں ہو۔ لیکن تمہارا قبیلہ اس سے زیادہ بہتر ہے اور تمہارے آباواجداد ان کے آباواجداد سے زیادہ باعزت تھے۔ تم قریش میں سے ہو اور تمہارے بھائی اور چچا مکہ مکرمہ میں رہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے گھر کے خدمتگار ہیں۔

یہ سنتے ہی وہ مکہ مکرمہ چلا گیا جہاں وہ کثیر العیال اور کثیر المال ہوا۔ اسے بہت زیادہ عزت وعظمت ملی۔ اس نے سوچا کہ وہ بنوخزاعہ اور بنوبکر سے زیادہ کعبہ کی تولیت کا مستحق ہے۔ کیونکہ وہ قریشی تھا اور قریش ہی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی خالص اولاد اور نسل تھے۔

اس طرح قریش اور اس کے حلیف قبائل بنوخزاعہ اور بنوبکر کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ دونوں کے درمیان خوفناک جنگ ہوئی۔ انہوں نے یعمر بن عوف بکری کو ثالث مقرر کرنے کا فیصلہ کیا۔ جس نے یہ فیصلہ کیا کہ قصی، بنوخزاعہ کی نسبت کعبے کی تولیت کے زیادہ حقدار ہیں۔

مورخین لکھتے ہیں کہ جب قصی نے کعبہ کی تولیت کی ذمہ داری سنبھالی تو اسکی عظمت وبلندی کے نئے دور کا آغاز ہوا اور بنوخزاعہ اور بنوبکر کا زمانہ طاق نسیاں میں چلا گیا۔

قصی نے بہت سے دینی مناصب کی بنیاد رکھی۔ مثلاً حجابہ، رفادہ، سقایہ، ندوہ، لیوہ۔

اس طرح مکہ مکرمہ میں آپ نے ایک ممتاز مقام حاصل کرلیا اور کوئی بھی آپ کی بلندی اور عظمت کی برابر نہ کرسکا۔ آپ کی قوم آپ کے حکم کو آپ کے بعد بھی قانون کا درجہ دیتی تھی۔ جس کا ماننا سب کیلئے ضروری تھا۔ آپ نے ایک وسیع وعریض عمارت ''دارالندوہ''

کے نام سے تعمیر کروائی جس کا دروازہ حرم شریف میں کھلتا تھا۔ جہاں پر اہل قریش اپنے نزاعی معاملات کا تصفیہ کرتے تھے۔

جب وہ بوڑھا ہوگیا تو اپنے بیٹے عبدالدار کے متعلق سخت اُداس تھا۔ چونکہ وہ چھوٹے بیٹے عبدِ مناف کے مقابلے میں عزت ومقام حاصل نہ کرسکا لہٰذا اس نے اپنے بڑے بیٹے سے کہا،

''بخدا! میں تمہیں تمہاری قوم کے برابر لاؤں گا گو کہ وہ عزت ومقام میں تم پر غالب ہے۔''

پھر اس نے تمام اعزازات اس کے حوالے کردیئے۔ قریش نے اسکی وفات کے کچھ عرصہ تک اس کے حکم کی تعمیل کی۔ حتیٰ کہ مناف کے بیٹوں، عبدالشمس، ہاشم، مطلب اور نوفل نے یہ ارادہ کیا کہ وہ عبدالدار کے بیٹوں سے یہ عہدے چھین لیں۔ اس معاملے پر قریش میں تنازعہ پیدا ہوگیا اور وہ جنگ پر آمادہ ہوگئے لیکن بعد میں انہوں نے ان عہدوں کو آپس میں تقسیم کرنے پر رضامندی کرلی۔ اس طرح حجابت، لواء اور ندوہ کے اعزازات عبدالدار اور سقایہ اور رفادہ کے اعزازات عبد مناف کو دیئے گئے۔ ان میں سے کچھ مناصب پہلے سے موجود تھے جنہیں قصی نے بنایا تھا۔ اہل عرب ان مناصب کا بہت احترام کرتے تھے۔ جس کو یہ منصب ملتا وہ سب سے زیادہ قابل عزت ہوتا تھا۔ عرب شعراء نے انہیں اپنے کلام میں سراہا ہے۔

اوس بن تمیم الساعدی کی قوم کو عرفات میں حجاج کرام کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سونپی گئی۔ جس پر وہ فخر یہ کہتا ہے۔

''جب لوگ حج کیلئے آتے ہیں اور عرفات میں قیام کرتے ہیں یہاں تک کہ آل سفیان کو کہا جاتا ہے کہ انہیں پار لگاؤ یہ وہ عزت ہے جس کی بنیاد ہمارے آباواجداد نے

رکھی اور لمبے عرصے تک آنے والوں کو ورثے میں مل رہی ہے۔"

عمیر بن قیس کی قوم کو عربی مہینوں کو مقدم وموخر کرنیکا اعزاز حاصل تھا۔ وہ اس پر فخر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"معاد کا قبیلہ جانتا ہے کہ میری قوم سب سے زیادہ قابل عزت ہے۔ کتنے لوگ تھے جو ہمارے پاس بدلہ لینے آئے اور جنہیں ہم نے لگام نہ دی۔ کیا ہم مہینوں کو ترتیب دینے والے نہیں ہیں۔ جو معاد کیلئے قابل فخر کارنامہ ہے۔"

زمانہ جاہلیت میں کچھ مہینوں کو زیادہ حرمت والا سمجھا جاتا ہے۔ جن میں کسی قسم کی جنگ اور قتل جائز نہیں ہوتا تھا۔ جب ان میں سے کسی مہینہ میں جنگ وجدل مقصود ہوتی تو یہ لوگ اس مہینہ کو موخر کردیتے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی تو مکہ میں حج کے ارکان اور مناسک بھی طے کردیئے گئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"ربنا واجعلنا مسلمين لك ومن ذريتنا امة مسلمة لك وارنا مناسكنا وتب علينا انك انت التواب الرحيم" (۱)

"اے ہمارے رب! بنا دے ہم کو فرمانبردار اپنا اور ہماری اولاد سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کرنا جو تیری فرمانبردار ہو اور بتادے ہمیں ہماری عبادت کے طریقے اور توجہ فرما ہم پر (اپنی رحمت سے) بے شک تو ہی توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

"والبدن جعلنا هالكم من شعائر الله لكم فيها خير، فاذ كروا اسم الله عليها" (۲)

"اور قربانی کے فربہ جانوروں کو ہم نے بنایا ہے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے،

---

۱ سورۃ البقرۃ:۱۱۸ ۲ سورۃ الحج:۳۶

تمہارے لئے اس میں بھلائی ہے۔ پس لو اللہ کا نام اس پر"

ہم اس سے پہلے بیان کرچکے ہیں کہ یہ لوگ بیت اللہ کے پتھروں کی کتنی تعظیم کرتے تھے۔ جب سفر پر جاتے تو پتھر ساتھ لے جاتے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد آنے والی نسلیں اس حقیقت کو بھول گئیں اور وہ پتھروں کی پوجا کرنے لگیں لیکن اس کے باوجود بھی ان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور کی کچھ یادیں محفوظ تھیں۔ یہ لوگ بیت اللہ شریف کی تعظیم کرتے حج اور عمرہ کرتے قربانی کرتے اور حج کا احرام باندھتے وقت تلبیہ پڑھتے۔ مکہ مکرمہ عرصہ دراز سے اہل عرب کا قبلہ اور ان کے دلوں کا مرکز تھا۔ روئے زمین کا کوئی ٹکڑا اس کی ہمسری کی طمع کرتا یا اس کی عظمت کو چھیننے کے درپے ہوتا تو وہ اسی حسرت میں تباہ ہوجاتا۔

جزیرہ عرب اور اس کے اطراف کے جن لوگوں نے بیت اللہ کا مقابل لانے کی کوشش کی ان کی داستانیں تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ تاریخ میں اس محل کا ذکر بھی موجود ہے جو اہل غسان نے حیرہ میں تعمیر کیا اور اس کے علاوہ اس کنیسہ کا ذکر بھی ملتا ہے جسے ابرہہ اشرم نے یمن کے دارالحکومت صنعاء میں تعمیر کرایا تاکہ مکہ مکرمہ کا قصد کرنے والوں کو اس طرف متوجہ کیا جاسکے۔ اس کی تعمیر میں اس نے خوبصورت سنگ مرمر اور سونے کے پتھروں کا استعمال کیا اور یہ چیزیں اس نے ملکہ بلقیس کے محل سے حاصل کیں جو کنیسہ سے کچھ فرلانگ کے فاصلے پر واقع تھا۔ اس میں اس نے سونے اور چاندی کی صلیبیں معلق کیں اور آبنوس کی لکڑی اور ہاتھی کے دانت کے منبر بنوائے۔ (۱)

اسکی تعمیر مکمل کرنے کے بعد اس نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی طرف خط لکھا کہ میں نے آپ کے لئے ایک ایسا کنیسہ تعمیر کروایا ہے جیسا کسی بادشاہ نے تعمیر نہیں کرایا۔ اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے حجاج کو اس کی طرف متوجہ کروں۔

---

۱ الروض الانف: ۳۰/۱

لیکن ابرہہ اس مقصد کو حاصل کیے بغیر ہی نامراد اس دنیا سے نیست ونابود ہوگیا۔ جبکہ حجاج کرام کے دلوں میں بیت اللہ کی عظمت پہلے سے بھی زیادہ ہوگئی۔ یہ پہلے ہی کی طرح لوگوں کیلئے پناہ گاہ اور عبادت گزاروں اور حجاج کرام کا قبلہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور آپ کی ندا رہا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"واذن فی الناس بالحج یاتوك رجالا وعلیٰ كل ضامر یاتین من كل فج عمیق"

"اور اعلان عام کردو لوگوں میں حج کا وہ آئیں گے آپ کے پاس پا پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر سوار ہوکر جو آتی ہر دور دراز رستے سے"

کعبہ شریف کو جو عظمت وشرافت حاصل ہے پوری دنیا اس کے سامنے سرنگوں رہے گی۔ اس کے علاوہ اگرچہ دنیا میں بڑے بڑے شہر ہیں اور ایسے صدر مقام ہیں جو انتہائی خوبصورت اور سرسبز وشاداب ہیں مکہ مکرمہ ایک بے آب وگیاہ اور چٹیل وادی کے ایک چھوٹے سے میدان میں واقع ہے۔ بیسویں صدی کے ایک مستشرق نے اپنے الفاظ میں اس کی اس طرح منظر کشی کی ہے۔

"مکہ مکرمہ صحرا کے درمیان ایک ایسی بے آب وگیاہ وادی میں ایسے دو پہاڑی سلسلوں کے درمیان واقع ہے۔ جو اسے چاروں اطراف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ پہاڑوں میں گھرا ہونے کی وجہ سے یہ شہر حاجی کو اس وقت تک نظر نہیں آتا جب تک وہ اس کے اندر نہ داخل ہوجائے یہ میلوں تک پھیلی ہوئی سیاہ رنگوں کی چٹانوں والے ٹیلوں کے درمیان واقع ہے۔ دیکھنے والا یوں محسوس کرتا ہے کہ بے آب وگیاہ ٹیلے کبھی ختم نہیں ہونگے اور نہ ہی وہ صحرا ختم ہونے والا ہے جو اس کے چاروں طرف پھیلا ہوا ہے۔ جس کی روشنی

آنکھوں کو چندھیا دیتی ہے۔ اسکی ہلاکت خیز گرمی سے ایک لمحہ کے لئے بھی سکون حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے گرم سنگریزوں اور ٹھوس چٹانوں سے بخارات آسمان کی طرف اٹھتے ہیں جو ایسا جلتا ہوا کوئلہ محسوس ہوتے ہیں جس کا دھواں آسمان کی طرف اٹھ رہا ہو۔ اگر ہم کیکر کے پھیلے ہوئے چند درختوں سے صرف نظر کریں تو ہمیں اس صحرا میں زندگی کے آثار ناپید نظر آتے ہیں۔ مکمل وحشت اور خاموشی طاری ہے۔ صرف بادصرصر کی سی چلتی ہوئی ہوا کی ایک گونج سنائی دیتی ہے۔ صحرا میں چلتے ہو مسافر کو سراب دھوکہ میں ڈال دیتا ہے۔ کچھ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ کھجوروں کے درخت یا گھنے باغوں کا سایہ ہے۔ لیکن حقیقت میں نہ تو وہاں کوئی کھجور ہے اور نہ کسی باغ کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے مقدس شہر میں کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی۔ سورج کی جھلسا دینے والی تپش سے صرف رات ہی کو سکون حاصل ہوتا ہے۔"(۱)

مکہ مکرمہ اور بیت اللہ کے بارے میں ہماری گفتگو طوالت اختیار کرگئی ہے۔ لیکن اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اسی مقدس فضا اور ماحول ہی میں اس عظیم عورت نے آنکھیں کھولیں جس کو تاریخ ام النبی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہی رسول عربی ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب کی جائے پیدائش ہے جو مکہ مکرمہ میں مبعوث ہوئے۔ آپ ﷺ کی بعثت نے مکہ مکرمہ کی عزت وحرمت کو چار چاند لگا دیئے، اسلام نے اس کعبہ شریف کو قبلہ بنانے کا حکم دیا جہاں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام عبادت کیا کرتے تھے۔ اب مسلمان جہاں کہیں بھی ہو اسے کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم ہے۔

ہاں یہی مکہ مکرمہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا شہر اور ان کے اکلوتے فرزند ارجمند کا گہوارہ اور آپ کے آباء واجداد کی قرار گاہ اور آپ کی جائے بعثت اور قیامت تک آنے والے مسلمانوں کا قبلہ ہے۔

---

۱ بودلی "الرسول" (عربی ترجمہ از سحار)

بنو زہرہ

"اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے مجھے پاک پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل
فرماتا رہا ہر آلائش سے پاک کر کے ہر آلودگی سے صاف
کر کے جہاں کہیں دو شاخیں پھوٹیں وہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے
اس شاخ میں منتقل کیا جو دوسری سے بہتر تھی۔"

(حدیث نبوی)

تقریباً چھٹی صدی عیسوی کے نصف کے ایک مبارک دن میں جس کا تاریخ نے تعین نہیں کیا ایک معزز خاندان کی عورت نے ایک نور کا مشاہدہ کیا۔ اس خاندان کا تعلق اس قبیلہ سے تھا جسے اس سرزمین میں بڑی شان وشوکت حاصل تھی۔ اس قبیلے پر کئی ایک اہم دینی مناصب سرانجام دینے کی ذمہ داری تھی۔ یہ خاندان زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئ کے نام سے موسوم تھا جو ابو زہرہ کی کنیت سے مشہور تھے یہ زہرہ، قُصَی کا بھائی تھا۔ جب تک زندہ رہا مکہ مکرمہ پر حکمرانی کرتا رہا اور اپنے وصال کے بعد یہ حکمرانی میراث کے طور پر قریش کے لئے چھوڑ گیا اور یہ ایک ایسی عظمت اور شرف تھا جس میں کوئی دوسرا قبیلہ قریش کے ساتھ شریک نہ تھا۔ حتی کہ حضرت محمد ﷺ کلاب کے انہی دو بیٹوں قُصی اور زہرہ کی نسل میں پیدا ہوئے جنھوں نے مکہ مکرمہ کو ابدی عزت اور حرمت عطا کر دی۔

زہرہ اور قُصی کی والدہ فاطمہ بنت سعد بن سہل ہیں جن کا تعلق بنی جدرہ کے ساتھ تھا۔ وہ اپنے دادا عامر بن عمرو الازدی کی وجہ سے اس لقب سے موسوم ہوئے۔ کیونکہ ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں سیلاب آنے کی وجہ سے بیت اللہ کی ایک دیوار گر گئی۔ یہ دیکھ کر قریش گھبرا گئے کہ ایک اور سیلاب آ گیا تو ان کی عزت وعظمت کو بہا کر لے جائے گا۔ اس وقت عامر

نے اس دیوار کو تعمیر کر دیا جس کی وجہ سے ان کا نام جادر مشہور ہو گیا اور ان کی اولاد نے بنی جدرہ کے نام سے شہرت پائی۔ سعد بن سہل کے بارے میں ایک شاعر کہتا ہے۔

"ہم نہیں جانتے کہ سعد بن سہل سے بڑھ کر کوئی بہادر ہو جو مشکل میں مضبوط اور قوی ثابت ہوا ہو جب حریف مقابلہ کے لئے سامنے آ جائے۔ اور نہ ایسا شہسوار دیکھا ہے جو گھوڑوں کے پیچھے ایسے چلتا ہے جیسے شکرا تیتر کے پیچھے چلتا ہے۔"(۱)

بنو زہرہ کے بنو عبد مناف کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے جبکہ ان کے بھائی بنو عبدالدار کے ساتھ تعلقات اچھے نہیں تھے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قُصَی جب بوڑھے ہو گئے تو انہیں اس بات کا بڑا افسوس تھا کہ ان کا بڑا بیٹا اس عزت وشرف کا حامل نہیں جس کا حامل ان کا چھوٹا بیٹا مناف ہے لیکن قُصَی نے اپنے بڑے بیٹے سے کہا کہ میں تمہیں بھائیوں کے ساتھ ملا دونگا۔ ان میں کوئی بھی کعبہ میں داخل نہیں ہوگا جب تک تو دروازہ نہیں کھولے گا۔ جنگ کے موقع پر قریش کا جھنڈا تیرے ہاتھ میں ہوگا۔ مکہ مکرمہ میں کوئی بھی تیرے سقایہ کے علاوہ پانی نہیں پی سکے گا۔ موسم حج میں حاجی تیرا ہی کھانا کھائیں گے۔ تمام امور میں فیصلے تیرے ہی گھر میں ہونگے۔

قریش نے کچھ عرصہ تک تو اس وصیت پر عمل کیا پھر بعد میں عبد شمس، ہاشم، مطلب اور نوفل نے بنو عبدالدار سے ان مناصب کو لینے کا ارادہ کیا کیونکہ انہیں ان پر ہر طرح سے شرف وفضل حاصل تھا۔ اس وقت قریش میں اختلاف ہو گیا۔ ان کا خیال تھا کہ ان مناصب کے حقدار بنو عبد مناف ہیں جو قوم میں معزز ومکرم ہیں۔ کچھ لوگ بنو عبدالدار کے حق میں تھے۔ ان کا خیال تھا چونکہ قُصَی نے انہیں یہ اعزازت بخشے تھے اس لئے انہیں ان سے نہیں چھیننا چاہیے۔

ہر فریق نے پختہ عہد کیا کہ وہ اپنے اپنے حلیف کی ہر صورت مدد کریں گے۔

---

۱ سیرت ابن ہشام: ۱۱۰/۱

بنوعبدمناف کی عورتیں خوشبو سے بھرا ہوا ایک پیالہ لائیں اور اسے بیت اللہ کے قریب اپنے حلیفوں کے سامنے رکھ دیا۔ ان لوگوں نے خوشبو میں ہاتھ ڈبو کر اور کعبہ کی دیواروں سے چھو کر عہد کو اور پختہ کیا اس لئے انہیں مطیّبین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی دن بنوعبدالدار اور ان کے حلیفوں نے بیت اللہ کے قریب حلف اٹھایا اس لحاظ سے انہیں احلاف کہا جاتا ہے۔

اس عہد میں بنوزہرہ، بنوعبدمناف کے ساتھ تھے۔ ہر دو فریق نے دیگر خاندانوں کو بھی اپنے ساتھ ملالیا۔ بنوزہرہ نے بنوجمح کو اپنے ساتھ ملالیا۔

جس طرح بنوزہرہ کے گھر بنوعبدمناف کے ساتھ ایک دوسرے سے متصل تھے اسی طرح وہ حلف میں بھی ایک دوسرے سے پیوست تھے۔ جب قریش نے کعبہ کی اطراف کو آپس میں تقسیم کیا تو باب کعبہ کی سمت بنوعبدمناف کے حصہ میں آئی۔ حجراسود اور رکن یمانی کی درمیانی جگہ بنومخزوم اور ان کے حلیف قبائل کے حصہ میں آئی۔ بنوجمح اور بنوسہم کو کعبہ کی پشت والا حصہ ملا۔ حطیم والی سمت بنوعبدالدار کے حصہ میں آئی۔

بعثت نبوی سے تقریباً بیس سال پہلے جب قریشی قبائل نے حلف الفضول کی دعوت دی تو بنوزہرہ نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تاریخ عرب میں یہ بڑا قابل قدر اور عظیم معاہدہ تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ زبید کا رہنے والا ایک شخص تجارتی سامان لے کر مکہ مکرمہ آیا۔ عاص بن وائل جو مکہ مکرمہ کا رئیس تھا، نے اس سے یہ مال خرید لیا۔ بعد میں اس نے رقم دینے سے انکار کر دیا۔ اس نے احلاف یعنی عبدالدار، مخزوم، جمح، سہم اور عدی بن کعب سے عاص کی شکایت کی۔ انہوں نے اس کی مدد کرنے کے بجائے اسے جھڑک دیا۔ زبیدی نے ان سے مایوس ہو کر ایک اور حیلہ کیا۔ طلوع آفتاب کے بعد جب قریش حرم کعبہ میں حسب معمول اپنی اپنی مجالس جمائے بیٹھے تھے وہ جبل ابی قبیس پر چڑھ گیا اور وہاں کھڑے ہو کر بلند آواز سے فریاد کی۔

"اے فہر کی اولاد! اس مظلوم کی فریاد سنو جس کا مال ومتاع مکہ مکرمہ میں ظلماً چھین لیا گیا۔ اب وہ غریب الدیار ہے، اپنے ہم وطنوں سے دور ہے۔ وہ ابھی احرام کی حالت میں ہے اور اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ اس نے ابھی عمرہ بھی ادا نہیں کیا۔ اے مکہ کے رئیسو! میری فریاد سنو، مجھ پر حطیم اور حجر اسود کے درمیان ظلم کیا گیا ہے۔

عزت وحرمت تو اس کی ہے جس کی شرافت کامل ہو جو فاجر اور دھوکہ باز ہو اسکے لباس کی تو کوئی حرمت نہیں۔"

اس کی فریاد سن کر صرف زبیر بن عبدالمطلب اٹھے اور بلند آواز سے اعلان کیا اس کی فریاد کو نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ بنوہاشم، بنوزہرہ اور بن تیم بن مرہ، عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے۔ یہ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جدعان سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا چچازاد تھا۔ اس نے ان کی پُرتکلف دعوت کی۔ دعوت کے بعد انہوں نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ مظلوم خواہ مکہ کا ہو یا باہر کا، اس کی مدد کی جائے گی حتیٰ کہ ظالم مظلوم کا حق ادا کر دے۔ اس طرح انہوں نے عاص بن وائل سے زبیدی کا مال واپس دلوایا۔

حضرت طلحہ بن عبداللہ زہری سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"میں عبداللہ بن جدعان کے گھر حاضر تھا جب حلف الفضول طے پائی۔ اس کے بدلہ میں اگر مجھے کوئی سرخ اونٹ بھی دے تو میں لینے کے لئے تیار نہیں ہوں گا اس قسم کے معاہدہ کی دعوت اسلام میں بھی اگر کوئی مجھے دے تو میں اسے قبول کروں گا۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا بنت وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ کا تعلق اسی معزز خاندان سے تھا جن کے زمانہ قدیم سے بنوعبدمناف کے ساتھ اچھے روابط چلے آ رہے تھے۔ نمایاں اور قابل فخر سرگرمیوں میں یہ قریش کے ساتھ برابر کا شریک رہا۔ حلف الفضول اور حلف المطیّبین دونوں میں بنوہاشم کے ساتھ شامل تھا۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے دادا کا نام

عبدمناف بن زہرہ تھا۔ ان کے نام کوان کے چچازاد کے نام، عبدمناف بن قُصّی کے ساتھ ملا کر دونوں کومنافان کہا جاتا تھا۔ (۱)

آپ کے والد وہب بن عبدمناف شرافت اور فطری قابلیت کی بنا پر بنوزہرہ کے سردار تھے۔ انہی کے بارے میں شاعر کہتا ہے۔

''اے وہب! اے ماجد بن زہرہ کے بیٹے! تم اپنے پاکیزہ حسب نسب اور نیک ماں کی وجہ سے بنوکلاب بن مرہ کے سردار بن گئے۔''

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا اپنی والدہ کی جہت سے نسب بھی کم عزت والا نہیں۔ آپ کی والدہ کا نام برّہ بنت عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدار بن قُصّی بن کلاب تھا۔ آپ کی نانی ام حبیب بنت اسد بن عبدالعزی بن قُصّی تھیں۔ آپ کی پرنانی برّہ بنت عوف بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب بن غالب بن فہر تھیں۔ یہ وہ رفیع الشان اور جلیل القدر خاندان ہے۔ جس نے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا جیسی ہستی کو جنم دیا تا کہ وہ آنے والی عظیم روح (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے مامتا جیسا گرانقدر فریضہ سرانجام دینے کے قابل ہوں۔

یہ عظمت اور رفعت آپ کے والد کو ورثہ میں ملیں۔ آپ منافین یعنی عبدمناف بن قُصّی اور عبدمناف بن زہرہ کی عزت وعظمت کے وارث تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نسب پر فخر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ ''اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے مجھے پاک پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل فرماتا رہا، ہر آلائش سے پاک کر کے، ہر آلودگی سے صاف کر کے، جہاں کہیں دوشاخیں پھوٹیں وہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس شاخ میں منتقل کیا جو دوسری سے بہتر تھی۔'' حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''لقد جاء کم رسول من انفسِکم'' کو انفَسکم پڑھا ارشاد فرمایا کہ۔ ''میں حسب نسب اور سسرال کے اعتبار سے تم میں سب سے زیادہ نفیس اور کریم ہوں۔''

۱ جمہرۃ الانساب:۱۱۲

بحث سوم

بنوزہرہ کی کلی

- ☆ بنو ہاشم کا گل سرسبد
- ☆ شادی
- ☆ بشارت

بنو زہرہ کی کلی

"شادی کے روز قریش کی عورتوں میں حسب نسب کے اعتبار سے سب سے افضل حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا تھیں۔" (ابن اسحاق)

آپ رضی اللہ عنہا کا بچپن بڑا پاکیزہ اور بے داغ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا اعلیٰ حسب ونسب کی مالک تھیں۔ اور یہی چیز اس معاشرہ میں قابل فخر سمجھی جاتی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا گلستان قریش کی کلی اور بنو زہرہ کی بیٹی تھیں آپ ہمہ وقت پردہ میں رہتی تھیں۔ اس لئے مورخین نے آپ رضی اللہ عنہا کے سراپا کو بیان نہیں کیا۔ انہوں نے اتنا بیان کیا ہے کہ جس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے منگنی ہوئی اس وقت آپ رضی اللہ عنہا قریشی عورتوں میں سب سے افضل خاتون تھیں۔ (۱)

اس پردہ داری کے باوجود آپ رضی اللہ عنہا کی پاکیزہ سیرت وکردار کی خوشبو پورے مکہ مکرمہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ بہت سے نوجوان آپ رضی اللہ عنہا کے گھر منگنی کا پیغام بھیجنے کا ارمان اپنے دِلوں میں لیے ہوئے تھے۔ یہ نوجوان ان بازاری عورتوں سے بیزار تھے جن کا مکہ مکرمہ میں جواء اور شراب کی مجالس قائم کرنے میں اہم کردار تھا۔ ان میں بعض عورتیں ایسی بھی تھیں جو مختلف حیلے بہانوں سے تاجروں اور جواریوں سے مال ہتھیانے میں بڑی مہارت رکھتی تھیں۔ اس طرح ان کی محبت اور جذبات کی قیمت میں بھی کمی بیشی آجاتی تھی۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی بچپن میں اپنے چچازاد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے کچھ جان پہچان تھی۔ چونکہ ہاشمی گھرانے کا بنو زہرہ کے ساتھ بہت قریبی تعلق تھا۔ قُصَی اور زھرہ کے زمانہ سے ہی یہ دونوں خاندان انس ومحبت کی ایک مضبوط زنجیر میں پروئے چلے

۱ سیرت ابن ہشام: ۱/۱۴۶

آرہے تھے جس کو زمانہ کی گردش توڑنے سے قاصر رہی۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا پردہ کے زمانہ سے بہت پہلے ہی حضرت عبداللہ سے شناسا تھیں۔ بچپن کے معصوم اور پاکیزہ زمانہ میں وہ دونوں آپس میں ضرور ملتے ہونگے۔ اسی طرح قبیلہ کی مجالس ومحافل میں کبھی کبھار میل ہوا ہوگا۔ کیونکہ عبدالمطلب بنو ہاشم اور وہب بنو زہرہ کے سردار تھے۔ قریش کو جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو یہ دونوں سردار باہمی مشورہ کیلئے اکٹھے ہوتے۔

جب آپ رضی اللہ عنہا نے شباب کی دہلیز پر قدم مبارک رکھا تو آپ رضی اللہ عنہا پردہ کرنے لگیں۔ کیونکہ اس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی قصر شباب کی سیڑھیا چڑھ رہے تھے۔

نوجوانان مکہ مکرمہ کی نظریں ان کے کاشانہ پر لگی ہوئی تھیں اور ہر ایک کی خواہش تھی کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی منگنی اس کے ساتھ ہو کہ یہ ان کے لئے عزت وشرف کا باعث ہوگا۔

بنو ہاشم کا گل سرسبد

"اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل علیہ السلام سے کنانہ کو منتخب فرمایا اور کنانہ سے قریش کو، قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب فرمایا۔" (مسلم)

حضرت عبداللہ نے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے گھر منگنی کا پیغام نہیں بھیجا تھا۔ باوجود اس کہ وہ اس کا پوری طرح استحقاق رکھتے تھے اور جن لوگوں نے یہ پیغام بھیجا وہ عظمت و بزرگی میں کسی لحاظ سے بھی آپ کے ہمسر نہیں تھے۔

آپ حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کے چشم و چراغ تھے۔ جو اپنی قوم کے سردار اور عظمت و شرافت کے پیکر اور اپنے والد ہاشم کے اکلوتے فرزند تھے۔ ان کو اپنی قوم میں وہ مقام و مرتبہ حاصل تھا جو اس وقت کسی کو حاصل نہیں تھا۔ ان کی قوم ان سے والہانہ عقیدت و محبت رکھتی تھی۔ یہ بڑی شان و شوکت کے مالک تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ مخزومیہ تھیں جن کا تعلق خالصتاً قریشی گھرانے سے تھا۔ ان کے بطن سے حضرت عبدالمطلب کی اولاد حضرت ابوطالب، زبیر، عبداللہ، ام حکیم بیضاء (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی جڑواں بہن) عاتکہ، برّہ، امیمہ اور اروی پیدا ہوئی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی دادی سلمٰی بنت عمرو نجاریہ خزرجیہ تھیں انہیں اپنے قبیلہ میں اتنا احترام اور فضل حاصل تھا کہ کسی عام آدمی سے نکاح کرنا گوارا نہ کرتیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی اُن کے معیار پر پورا نہ اترتا تو قبیلہ کی طرف سے انہیں اسے چھوڑنے کی اجازت تھی۔ آپ کی نانی تخمر بنت عبد بن قُصَی قریشیہ تھیں اور ان کی والدہ سلمٰی بنت عامرہ بن ودیعہ فہریہ تھیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو منگنی کا پیغام نہ بھیجنا باعث تعجب نہیں کیونکہ آپ کے والد ماجد نے بیت اللہ کے قریب ایک بیٹے کو قربان کرنے کی نذر مانی ہوئی تھی۔

نذر کا یہ قصہ کسی قریشی سے مخفی نہیں تھا۔ سب کو معلوم تھا کہ آل ہاشم کے بیٹوں میں سے کسی ایک نے اس نذر کی بھینٹ چڑھنا ہے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی انہیں میں سے تھے۔

نذر کا واقعہ یہ ہے کہ جب عبدالمطلب مکہ مکرمہ کے سردار بنے تو دوسرے اعزازات کے ساتھ سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانے) کا منصب بھی آپ کے ہاتھ آیا۔ مکہ مکرمہ میں پانی کی بڑی قلت تھی جس کی وجہ سے حجاج کرام کو بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ آپ پانی کے مسئلہ کے حل کے بارے میں ہر وقت فکرمند رہتے۔ آپ اسی فکر میں تھے کہ آپ کے ذہن میں آب زم زم کا خیال آیا جس نے آپ کے جداعلیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ہلاکت سے بچایا اور اس لق و دق صحرا میں اترنے والے قافلوں کو اپنی طرف کھینچا، آپ نے اپنے آباؤ اجداد سے بئر زم زم کے بارے میں جو روایات سن رکھی تھیں وہ آپ کے ذہن میں گردش کرنے لگیں۔ آپ کو یاد آ گیا کہ بنو جرھم نے مکہ مکرمہ سے نکلتے وقت بئر زم زم کو بند کر دیا تھا۔ ان کے دل میں آرزو پیدا ہوئی کاش اللہ تعالیٰ مجھے بئر زم زم کے محل وقوع کے بارے میں آگاہ فرما دے۔ دن بدن یہ آرزو بڑھتی رہی حتیٰ کہ تڑپ بن گئی۔ آپ ہمہ وقت اسی سوچ میں سرگرداں رہتے کہ ایک دن آپ کو خواب میں حرم شریف کے ایک معین مقام کے کھودنے کا حکم دیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں۔ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا کہ میں حطیم میں سویا ہوا تھا۔ خواب میں کوئی آنے والا آیا اور اس نے کہا بئر زم زم کو کھودو۔ اگر آپ اسے کھودیں گے تو آپ کو کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔ یہ آپ کے پدر نامدار کی میراث

ہے۔اس چشمہ کا پانی ختم ہوگا نہ مرمت کی ضرورت ہوگی۔ حجاج کرام اس سے سیراب ہونگے اور یہ ناقابل تقسیم ہے۔

دوسرے دن صبح صبح حضرت عبدالمطلب کدال لے کر نکلے ان کے ہمراہ ان کے بیٹے حارث تھے(اس وقت ان کے علاوہ کوئی بیٹا نہ تھا) جب آپ نے اساف اور نائلہ دو بتوں کے درمیان جگہ کھودنی شروع کی تو قریش آڑے آگئے اور کہنے لگے۔ ہم آپ کو یہاں کھدائی نہیں کرنے دیں گے۔ یہاں ہم قربانی کرتے ہیں۔ آپ حارث کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ان کو روکے رکھو۔ حتیٰ کہ میں کھدائی کا کام مکمل کرلوں۔ بخدا! مجھے جو حکم ہوا ہے میں اسے ضرور پورا کروں گا۔ چونکہ اس وقت آپ کا ایک ہی بیٹا تھا، اس لئے قریش آپ کی اس افرادی کمزوری کو دیکھ کر مقابلہ پر اتر آئے، لیکن آپ بدستور کھدائی کرنے میں مشغول رہے۔ جب آپ کو وہ پتھر نظر آیا جس سے بئر زم زم کو بند کیا گیا تھا تو آپ نے خوشی مین نعرہ تکبیر بلند کیا۔ جب قریش کو معلوم ہوا کہ آپ نے اپنا گوھر مقصود پالیا ہے تو کہنے لگے۔

''اے عبدالمطلب! یہ کنواں تو ہمارے جداعلیٰ حضرت اسماعیل علیہ لسلام کا ہے۔ ہمارا بھی اس میں حق ہے۔ ہمیں بھی اس میں شریک کرو۔ آپ نے صاف انکار کردیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ کا یہ مجھ پر خصوصی انعام ہے۔ وہ کہنے لگے آپ ہمارے ساتھ انصاف کریں۔ ہم آپ کو اس طرح اکیلے نہیں کھودنے دیں گے۔ یہ مسئلہ اس وقت سنگین صورت حال اختیار کرگیا جب کھدائی کے دوران سونے کے دو ہرن، قیمتی تلواریں اور زرہیں برآمد ہوئیں۔ آپ نے قریش سے کہا آؤ فال کے ذریعہ اس کا فیصلہ کرلیتے ہیں۔ فال کی یہ صورت تجویز ہوئی کہ دو حصے کعبہ کے، دو حصے عبدالمطلب کے اور دو حصے باقی قوم کے ہونگے۔ جب قرعہ اندازی کی گئی تو کعبہ کے حصہ کے دو تیر ہرنوں پر، حضرت عبدالمطلب کے دو تیر تلواروں اور زرہوں پر

پڑے اور قریش کے دونوں تیر خالی گئے۔''

اس کے بعد حضرت عبدالمطلب بئر زم زم سے حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت سرانجام دیتے رہے اور قریش میں کوئی بھی اس اعزاز میں آپ کے ساتھ شریک نہیں تھا۔(۱)

نذر کا واقعہ اُس دن پیش آیا جب قریش نے آپ کو بئر زم زم کی کھدائی سے روکا تو آپ نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے دس بیٹے عطا کیے اور وہ جوان ہوکر میرے دست وبازو بنے تو میں ان میں سے ایک کعبہ شریف کے پاس قربان کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دس بیٹے عطا کئے۔ ان میں سب سے چھوٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تھے۔ جب وہ حد بلوغت کو پہنچے تو آپ نے سب کو بلایا تاکہ اپنی نذر پوری کریں۔ آپ کے تمام بیٹے لبیک کہتے ہوئے آپ کے پاس حاضر ہوگئے۔

بعثت سے تقریباً اکتالیس سال پہلے جمادی الاول کی ایک صبح قریش کی زبانوں پر صرف یہی موضوع تھا کہ حضرت عبدالمطلب اپنے دس بیٹوں کو لے کر بیت اللہ شریف پہنچ گئے ہیں۔ ہر ایک کے ہاتھ میں تیر ہیں۔ جس پر ان کا نام کندہ ہے۔ قریشی عورتوں کے دل فیصلے کے لمحے کے انتظار میں بڑی بے چینی سے دھڑک رہے ہیں۔ کچھ عورتیں مردوں کے ساتھ کعبہ پہنچ جاتی ہیں تاکہ وہ خود اپنے کانوں سے قربانی کے لئے چنے گئے کے بارے میں الہامی کلمات سن سکیں۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں ہی بیٹھی ہیں۔ کیونکہ انہیں گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں۔ بڑی پریشانی سے خبر کے انتظار میں ہیں۔ وہ نہیں جانتی ہیں کہ ربّ کعبہ عبدالمطلب کے کس بیٹے کو وفائے نذر کے لئے چنتا ہے۔

پھر یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح مکہ مکرمہ کے اطراف میں پھیل جاتی ہے۔ اور یوں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا تک بھی پہنچ جاتی ہے کہ رب کعبہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو قربانی کے لئے پسند فرمایا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی سیدہ آمنہ کے روئے مبارک پر اداسی چھا جاتی ہے۔ بلکہ ہر

---

۱ سیرت ابن ہشام: ۱/۵۵-۱۵۴

قریشی عورت پر یہ خبر شاق گزرتی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں چاہتی کہ نوجوانان مکہ مکرمہ کے جھومر اور حضرت عبدالمطلب کے حسین ترین بیٹے کو یوں ذبح کر دیا جائے۔ حضرت عبداللہ ؓ کی بہنیں یہ خبر سنتی ہیں تو ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری ہو جاتی ہے وہ اپنے بھائی کے بارے میں اللہ کے حکم کی منتظر ہیں پھر یہ خبر گردش کرنے لگی کہ عبدالمطلب بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے ہیں۔ اور فال نکالنے والے سے اپنی نذر کے بارے میں پوچھا ہے۔ اس سے اپنی پدرانہ شفقت پر قابو رکھتے ہوئے اپنے بیٹوں کے نام فال نکالنے کے لئے کہا ہے۔ ہر بیٹا اپنے نام کا تیر فال نکالنے والے کو دیتا ہے۔ آپ اپنے بیٹوں پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں آخر کار آپ کی نظر اپنے چھوٹے بیٹے حضرت عبداللہ پر ٹھہر جاتی ہے۔ آپ کے دل میں محبت وشفقت رحمت ورأفت کے جذبات کا سیلاب امڈ آتا ہے۔ آپ کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اگر اس لاڈلے بیٹے کے نام کا تیر نہ نکلے تو کیا ہی اچھا ہو۔ آخر فیصلہ کا لمحہ آ جاتا ہے۔ فال نکالنے والا فال نکالنے کی تیاری کرتا ہے۔ حضرت عبدالمطلب دستِ دعا دراز کرتے ہیں، لیجئے فال حضرت عبداللہ ؓ کے نام نکل آتی ہے۔

چنانچہ حضرت عبدالمطلب عزم وہمت کے ساتھ اپنے ایک ہاتھ میں اپنے لخت جگر کو لیتے ہیں اور دوسرے ہاتھ میں چھری پکڑتے ہیں اور قربان کرنے کے لئے اساف اور نائلہ کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہ خبر بجلی کی سرعت کی مثل مکہ کے گھر گھر میں گونجنے لگتی ہے۔ حتیٰ کہ بنو زہرہ کے محلہ میں بھی پہنچ جاتی ہے۔ مکہ م مکرمہ کے افق پر غم وحزن کے بادل چھا جاتے ہیں۔ آنکھیں حیرت سے پتھرا جاتی ہیں۔

بنو زہرہ کے سردار کے گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اسی طرح دوسرے گھر اور قریش کی مجلسیں ویران ہیں۔ تمام لوگ حضرت عبداللہ ؓ کی قربانی کے مشاہدہ کے لئے بیت اللہ میں ہیں۔ سب کے سب حضرت عبدالمطلب کے پاس جمع ہیں اور سخت آزمائش سے دو چار

ہیں۔ سیدہ آمنہ کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کاش وہ بھی حرم میں جاسکتیں۔ لیکن یہ ان کے بس کی بات نہیں۔ اگر ان کے لئے حرم میں جانا ممکن بھی ہوتا تو وہاں اپنے عم زاد کو بچانے کے لئے کیا کر سکتی تھیں۔ کیونکہ فیصلے کی گھڑی آ پہنچی تھی اور دعا وانکساری کا وقت گزر چکا تھا۔ اس طرح سورج ڈھل گیا اور رات کی تاریکی کے سائے گہرے ہونے لگے۔ قریش ابھی تک اپنی گھروں کو واپس نہیں لوٹے تھے۔ کس چیز نے انہیں وہاں روکے رکھا؟ سیدہ آمنہ باہر کے بدلتے حالات سے بے خبر تھیں۔ حتیٰ کہ کسی نے آکر خبر دی کہ اس وقت مکہ مکرمہ میں کوئی مرد موجود نہیں۔ سب گئے ہوئے ہیں۔

یہ خبر سن کر ان کے غمگین آنگن میں اُمید کی کرن پھوٹ پڑی۔ راوی اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ جونہی حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹے کو ذبح کرنے لگے تو قریشی اپنی مجلسوں سے اٹھ کر آپ کے پاس جمع ہوگئے۔ آپ سے پوچھا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔

آپ نے جواباً فرمایا! میں اپنی نذر پوری کر رہا ہوں۔

یہ سن کر قریش کہنے لگے آپ انہیں ذبح نہ کریں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو یہ ہمیشہ کیلئے رسم بن جائے گی اور ہر کوئی اپنے بیٹے کو قربان کرنے لگے گا۔ زمین مکہ میں پھر کون بچے گا؟ مغیرہ بن عبداللہ مخزومی جو حضرت عبداللہ ؓ کی والدہ کے خاندان سے تھے آگے بڑھے اور مضبوطی سے آپ کے ہاتھ کو پکڑ لیا اور کہنے لگے۔

آپ اسے ذبح نہیں کر سکتے اس کے بارے میں ہماری سفارش قبول فرمائیں۔ اگر ان کا فدیہ مال سے ممکن ہے تو ہم اپنے مالوں سے ادا کر دیتے ہیں۔

قریش کے دوسرے سرداروں نے کہا! اپنے اس بیٹے کو خیبر میں عرافہ کے پاس لے چلو جس کے قبضہ میں جن ہے۔ اس سے ان کے بارے میں پوچھو۔ اگر اس نے ان کے ذبح کرنے کا حکم دیا تو ذبح کر دینا۔ اور اگر اس نے اس کے علاوہ کوئی حکم دیا جس میں تمہارے

اور تمہارے بیٹے کے لئے عافیت ہو تو اسے قبول کر لینا۔ حضرت عبدالمطلب نے ان کی اس رائے کو قبول کر لیا۔ پھر وہ عرافہ سے فیصلہ کرانے کے لئے خیبر گئے۔ آپ تو چلے گئے لیکن اپنے پیچھے دھڑکتے قلوب اور بے چین نگاہیں چھوڑ گئے جن کو کسی پہلو قرار نہ تھا۔ اور مضطرب زبانیں جو رات کی تاریکیوں میں حضرت عبداللہ ؓ کی جان بخشی کے لئے گڑگڑاتی تھیں۔

ادھر قافلہ صحرا کی صعوبتیں برداشت کرتا ہوا خیبر پہنچ گیا۔ ادھر مکہ مکرمہ میں قریش کی مجالس بے رونق ہو گئیں۔ ان کے گھروں پر اضطراب و پریشانی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھیں اور قلوب شمال پر لگے ہوئے تھے۔ اور قافلہ کی واپسی کے منتظر تھے۔ ان کے کان عزیز نوجوان کے انجام کی خبر سننے کے لئے بے تاب تھے۔ ان ایام میں مکہ کی زندگی کی گردش تھم گئی تھی۔ مکہ مکرمہ کے سردار حضرت عبدالمطلب، ان کے نوجوان بیٹے حضرت عبداللہ ؓ اور بہت سے دوسرے قریشی سردار شہر سے باہر تھے۔ غلام اور کنیزیں دن میں کئی بار قافلوں کی گزرگاہ دیکھتے کہ شاید خیبر سے آنے والے کسی شخص سے جانے والوں کی کوئی خبر معلوم ہو۔ رات کی تاریکی میں قریش کی باپردہ عورتیں حرم شریف میں پہنچ جاتیں۔ یہاں آ کر کعبہ شریف کا طواف کرتیں اور پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتیں۔

"اے اللہ! جس طرح تو نے اس جگہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی دعا قبول کی اس طرح ہماری التجا و فریاد کو بھی سن۔ جس طرح تو نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو موت سے بچایا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ ؓ کو بھی بچا۔"

آخر کار شمال کے افق پر غبار کا ایک بادل نمودار ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی قافلہ مکہ کی طرف آ رہا ہے۔ نوجوان پہاڑوں اور ٹیلوں پر چڑھ کر آنے والے قافلہ کے متعلق قیافے اور اندازے لگاتے ہیں۔ پھر کیا ہوتا ہے۔ اچانک ایک قافلہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوتا ہے۔ اور صحنِ حرم میں اپنی سواریوں سے اتر کر دعا میں مشغول ہو جاتا ہے اور اپنے قاصدوں کو

مکہ مکرمہ کے گردونواح سے اونٹ جمع کر کے بیت اللہ شریف لانے کے لئے بھیجتے ہیں۔

بنو زہرہ کے ایک غلام نے عرافہ اور نذر کے بارے میں خبر ان کی عورتوں تک پہنچائی۔ لوگ بتاتے ہیں کہ جب خیبر میں قافلہ عرافہ کے پاس پہنچا تو حضرت عبدالمطلب نے اپنی نذر کے بارے میں تمام تفصیل سے آگاہ کیا۔ ان کی بات سن کر عرافہ نے کہا کہ آج تم چلے جاؤ اور مجھے ایک دن کی مہلت دو۔ جب میرا جن میرے پاس آئے گا تو میں جن سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ حضرت عبدالمطلب تمام رات دعا میں مشغول رہے۔ اگلے دن پھر اس کے پاس گئے تو اس نے کہا کہ تمہارے مسئلہ کا حل مل گیا ہے۔ تمہارے ہاں مقتول کی دیت کتنی ہے؟ فرمایا دس اونٹ۔ یہ سن کر اس نے کہا وطن واپس لوٹ جاؤ اور ایک طرف دس اونٹ کھڑے کرنا اور دوسری طرف حضرت عبداللہ ؓ کو۔ پھر فال نکالنا اگر قرعہ اونٹوں کے نام نکلا تو ان کو ذبح کر دینا۔ تمہاری نذر پوری ہو جائے گی۔ اگر قرعہ حضرت عبداللہ ؓ کے نام نکلے تو پھر دس اونٹ بڑھاتے جانا اور قرعہ نکالتے جانا یہاں تک کہ قرعہ اونٹوں پر نکل آئے تو اتنے ہی اونٹ ذبح کر دینا۔ اس سے تمہارا پروردگار بھی راضی ہو جائے گا اور تمہارا بیٹا بھی بچ جائے گا۔ اس واقعہ کے بعد پھر ایک دن دیکھنے میں آتا ہے کہ آل ہاشم کے معززین کی ایک جماعت جس کے آگے حضرت عبدالمطلب اور آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ ؓ ہیں، بنو زہرہ کے سردار کے گھر رونق افروز ہو رہی ہے۔ سیدہ آمنہ ؓ اپنے دِل میں خیال کرتی ہیں کہ وہ اپنے والد ماجد سے حضرت عبداللہ ؓ کی جان بخشی کے بارے میں پوچھیں۔ ادھر یہ تصور ہی کیا کہ کیا دیکھتی ہیں کہ ان کے والد گرامی دروازے پر آنے والے معزز مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔

"واہ! میرے رب! تیری رحمت کتنی وسیع ہے کہ تو نے آل ہاشم کے اس گلِ سرسبد کو زندہ رکھا۔"

قریشی عورتوں نے راستہ میں روک کر اپنے آپ کو پیش کیا۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا بڑی حیرانگی سے ان کی یہ باتیں سنتی ہیں۔ وہ عورتیں انہیں بتاتی ہیں کہ نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قُصّی کی بیٹی نے کعبہ شریف کے قریب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو روک لیا اور کہنے لگی۔ عبداللہ! کہاں جارہے ہو۔ انہوں نے مختصراً جواب دیا۔ اپنے والد کے ساتھ۔

کہنے لگی۔ میں اتنے اونٹ آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے تیار ہوں جتنے آپ رضی اللہ عنہ کے فدیہ میں قربان کیے گئے ہیں۔ بشرطیکہ آپ رضی اللہ عنہ مجھے قبول فرمائیں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں اپنے والد کے ساتھ ہوں۔ میں ان کے حکم کی خلاف ورزی کرسکتا ہوں نہ انہیں چھوڑ سکتا ہوں۔

اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ فاطمہ بنت مرجو انتہائی حسین وجمیل اور پاکدامن عورت تھی۔ طبری اور ابن اثیر کا قول ہے کہ یہ بنوخثعم کی کاہنہ تھی۔ اس نے آپ کو نکاح کی دعوت دی۔ آپ نے بڑی بے نیازی اور حقارت سے اس کی پیش کش کو یہ کہہ کر ٹھکرادیا۔ ''رہا حرام، اس سے تو موت بہتر ہے۔ جہاں تک حلال کا تعلق ہے تو میں اس میں حلال واضح طور پر نہیں دیکھ رہا۔ میں ایسی بات کو کیسے قبول کرسکتا ہوں جو تم چاہتی ہو۔ کریم ہمیشہ اپنی عزت اور اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے۔''

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ لیلیٰ عدویہ نے بھی دعوت دی تھی۔ لیکن آپ نے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ سیدہ کو مبارک باد دینے کے لئے آئی ہوئی عورتیں آپ کو اس قسم کی باتیں سنارہی تھیں۔ یہ عورتیں اس چیز کا حق رکھتی تھیں۔ کیونکہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی وہ پہلے شخص تھے جن پر سو اونٹ قربان کئے گئے۔ اس سے پہلے ایسا کسی شخص کیلئے نہیں ہوا تھا۔

آمنہ رضی اللہ عنہا! تجھے مبارک ہو، تم اس ماہ کامل کو پانے میں کامیاب ہوگئی ہو جس کے

جلووں کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے مکہ مکرمہ کی صدہا عورتوں کے دِل ماہی بے آب کی طرح تڑپتے ہیں۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ واقعات حقیقت ہیں یا محض افسانہ ہیں۔ مقتدمین مؤرخین اور سیرت نگاروں نے بغیر کسی شک وشبہ کے ان واقعات کو نقل کیا ہے۔ جدید سیرت نگاروں میں ڈاکٹر محمد حسین ہیکل کا خیال ہے کہ اس قسم کی روایات کی گہرائی میں جانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ان کے نزدیک یہی بات کافی ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ انتہائی حسین وجمیل تھے۔ اس لئے سیدہ آمنہ کے علاوہ دوسری عورتوں کا بھی حضرت عبداللہ کے ساتھ شادی کی خواہش رکھنا باعث تعجب نہیں۔ جب آپ کا نکاح حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا سے ہوگیا تو باقی کی امیدیں خود بخود ختم ہوگئیں۔

اسی طرح بودلی اپنی کتاب ''الرسول'' میں لکھتا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حسن وجمال کا بڑا چرچا تھا۔ آپ بڑے خوبصورت اور سحر انگیز شخصیت کے مالک تھے۔ جب آپ کا نکاح سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا بنت وہب سے ہوا تو مکہ کی بہت سی عورتوں کے دِل ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔

اگر ہم سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی حیات طیبہ کا تذکرہ خالصتاً تاریخی انداز میں بیان کررہے ہوتے تو ان روایات اور انکی اسناد اور راویوں کے احوال کی تحقیق کرتے۔ لیکن ہم تو تاریخی مواد ادبی اور فنی انداز میں پیش کررہے ہیں۔ اس لئے جس روایت پر ہمارا دِل مطمئن ہو، ہم اسے نقل کردیتے ہیں۔ ہم ان روایات میں اس حقیقی تصویر کو دیکھنا چاہتے ہیں جو لوگوں کے سامنے اس ماں کے کردار کو پیش کرے جس نے عظیم ہستی ﷺ کو جنم دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے شادی سے پہلے ان قریشی عورتوں کے بارے میں ضرور سنا ہوگا جو ان کے منگیتر سے شادی کی خواہش رکھتی تھیں۔ اور انہوں نے اس ہاشمی نوجوان سے

شادی کی مبارک باد قبول کی ہوگی۔ جس کی قربانی کا قصہ ہر کان نے سنا تھا۔ جس کے شباب کے سحر انگیز حسن نے کئی آنکھوں کو خیرہ کر دیا تھا۔ وہ بھی اپنے منگیتر کے بارے سوچتی ہونگی جو فدیہ کے بعد فوراً پیغام لے کر آ گیا اور اس نے ان کے علاوہ کسی قریشی عورت کی طرف توجہ نہیں دی۔

وہ مبارک دینے والے عورتوں کے ہجوم میں اپنے ان حسین خیالات میں گم تھیں۔ اور عالم تصور میں یہ سوچ رہی تھی کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے جذبات کو کیسے چھپائے رکھا۔ جب تک انہیں اپنی زندگی کے انجام کے بارے میں معلوم نہ ہوا۔ منگنی کا پیغام نہ بھیجا۔ اور جونہی انہیں اس سے نجات حاصل ہوئی۔ تو حرم کے بعد سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا گھر ان کا قبلہ اور آرزوں کا محور بن گیا۔ اب وہ مزید صبر نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے فوراً سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچ گئے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں کئی بار سوچا ہوگا۔ انتظار کی ان جانگسل گھڑیوں کو مشکل سے گزارا ہوگا۔ ان تکالیف اور مصائب کے بعد کس طرح ان کی ملاقات ہوگی۔ یہ سوالات سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے ذہن میں گردش کر رہے تھے اور وہ اپنے ہی تصورات میں گم تھیں۔ پھر اپنے قریب کچھ شور سن کر ہوش میں آئیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ جلد شادی کے لئے گھر میں تیاریاں ہو رہی تھیں۔

واقعہ فدیہ سے اہل مکہ کے دلوں میں ایک ہلچل بپا تھی۔ وہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ جو سر تسلیم خم کئے اپنے رب کی تقدیر اور حکم پر راضی تھے۔ یہاں تک کہ جب ان کے اور موت کے درمیان ایک بال کا فاصلہ رہ گیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بھاری فدیہ کے بدلہ میں بچالیا۔

مکہ مکرمہ کے اطراف واکناف میں شمعیں روشن کر دی گئیں۔ دارالندوہ مکہ مکرمہ کے سردار اور معززین سے بھر گیا۔ تمام رات لوگ اپنی مجالس ومحافل میں ذبیح اوّل یعنی

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قصہ کی یاد تازہ کرتے رہے۔ جب ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں پہاڑ کی طرف لے گئے تاکہ امرالٰہی کی تعمیل میں انہیں ذبح کریں۔ اس وقت بھی موت اتنی ہی قریب تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک مینڈھے کے بدلے بچالیا۔ وہ یہ قصہ نسل در نسل اپنے آباؤاجداد سے سنتے چلے آ رہے تھے۔ آج یہ قصہ اس بیت عتیق کے پیش منظر پر دہرایا گیا جس کی بنیادوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بلند کیا تھا۔

اس دفعہ قربانی کے لئے جس ہستی کا انتخاب ہوا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہی ذریت سے تھی۔ جو جزیرہ عرب میں عظمت وشرافت کی امین تھی۔

یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ شادی کے جشن میں قصہ گو حضرات شریک ہوں اور اُنہوں نے ذبیحین حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے قصہ فدیہ کی آپس میں کڑیاں جوڑی ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں بعض اس سے بھی آگے نکل گئے ہوں اور انہوں مستقبل کے پردہ میں چھپے ہوئے عظمتوں کے تارے تلاش کیے ہوں۔ جیسا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو فدیہ کے بعد کئی اور عظمتیں عطا ہوئیں۔

شادی کا یہ جشن تین دن اور تین رات جاری رہا۔ اس دور کے رسم ورواج کے مطابق حضرت عبداللہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہی رہے۔ چوتھے دِن کی صبح صبح دلہن کے استقبال کی تیاری کرنے کے لئے آپ گھر تشریف لے آئے۔ ابھی کل کی بات تھی کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا بچی تھیں، گھر کے افراد کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھیں۔ آج دلہن بن کر اپنے گھر والوں اور سہیلیوں کو الوداع کہہ رہی ہیں۔ پورا دِن اور رات کا کچھ حصہ تیاریاں مکمل ہونے کے بعد سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر والوں کے جھرمٹ میں اپنی نئی دنیا کے لئے روانہ ہوتی ہیں۔ بار بار پیچھے مڑ کر ان ٹیلوں کی طرف دیکھتی ہیں جہاں انہوں نے اپنا بچپن گزارا تھا۔ ان

کی جدائی سے آپ کے دِل میں ٹیس اٹھتی ہے۔ آہستہ آہستہ رات کی تاریکی کے پھیلتے ہوئے سائے اس منظر کو اور مغموم کررہے ہیں۔ آپ انہی خیالوں میں گم سم رہتی ہیں۔ راستے میں کسی سے کوئی بات نہیں کرتیں۔ آپ عروسی جوڑے میں ملبوس خراماں خراماں ایسے چلی جارہی ہیں جیسے ہوا کا لطیف جھونکا چھو کر گزر رہا ہے۔ دروازے پر حضرت عبداللہ ؓ نے بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا۔ سیدہ آمنہ ؓ نے ایک نظر حضرت عبداللہ کی طرف دیکھا۔ آپ کے چہرے پر اہل خانہ سے فراق کے خیال سے اداسی کی شکنیں ابھر آئیں اور آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔

حضرت عبداللہ ؓ آپ کی ان کیفیات کو جان جاتے ہیں اس لئے وہ انہیں ماضی کی ان یادوں میں کھویا رہنے دیتے ہیں، جنہیں وہ چھوڑ کر آئی ہیں۔ وہ انہیں بڑی محبت والفت سے گھر کے صحن میں لے آتے ہیں۔ جہاں دولہا اور دلہن کے ساتھ آنے والے معزز مہمانوں کے بیٹھنے کے لئے مسندیں آراستہ ہیں۔ آپ دلہن کو اس کا نیا گھر دکھاتے ہیں۔ یہ گھر اگرچہ بہت بڑا نہیں تھا لیکن مکہ کے دوسرے گھروں کی نسبت دولہا اور دلہن کے لئے کافی حد تک کشادہ اور آرام دہ تھا۔ جس میں وہ اپنی نئی زندگی کا آغاز کررہے ہیں۔ مؤرخین نے اس گھر کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

پتھر کی سیڑھیاں ہیں جو شمال کی جانب کھلنے والے دروازہ تک لے جاتی ہیں۔ دروازہ کے اندر داخل ہوتے ہی ایک صحن آتا ہے جو بارہ میٹر لمبا اور چھ میٹر چوڑا ہے۔ اس کی دائیں دیوار میں ایک دروازہ ہے جو ایک ہال میں کھلتا ہے۔ اس ہال کے وسط میں مغربی دیوار سے متصل لکڑی کا ایک حجرہ (کیبن) دلہن کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ ؓ دلہن کو ان کی سہیلیوں کے ساتھ چھوڑ کر صحن میں معزز مہمانوں کے پاس آجاتے ہیں۔ اس طرح رات کا کچھ حصہ جاگتے ہوئے گزر جاتا ہے۔ لوگ اس

نئے گھر کے آباد ہونے پر مبارکباد دیتے ہیں۔ جس کی دہلیز پر قریش کی کلی ہے۔ اور اس کریم جوڑے کو دعا دیتے ہیں جو پورے حجاز میں حسب ونسب کے لحاظ سے زیادہ معزز اور مکرم ہے۔

حضرت عبداللہ ؓ دلہن کو اُسکی سہیلیوں کے ساتھ چھوڑ کر بار بار صحن میں مہمانوں کے پاس آتے ہیں۔ رات کا کافی حصہ گزر چکا تھا۔ اور وہ ابھی تک جاگ رہے تھے۔ اور نئے جوڑے کو مبارکباد دے رہے تھے۔ وہ بنو زہرہ کی کلی کی آمد سے چمکنے والے قریشی گھر کو اور اس حسین ومنفرد جوڑے کیلئے دعائیں کررہے تھے۔ جو پورے حجاز میں عزت ووقار اور نسلی اعتبار سے سب سے اعلیٰ ترین تھا۔

بشارت

"خواب میں ہاتف غیبی کی آواز سنی۔ آمنہ! تم حاملہ ہو اور تمہارے بطنِ مقدس میں اس امت کا سردار تشریف فرما ہوا ہے۔"(۱)

مہمان اپنے گھر کو لوٹ جاتے ہیں۔ کائنات کو نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔ دنیا پر سکون کی مستی طاری ہوجاتی ہے۔ ایسے عالم میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس جلوہ افروز ہیں۔ انہیں خیبر کا ہنہ کے پاس جانے اور فال نکلنے کے روداد سنا کر مانوس کررہے ہیں۔ یہ روداد سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے فراق کے الم کو کافی حد تک کم کردیتی ہیں۔ اور یوں وہ کچھ وقت کے لئے اسے بھول جاتی ہیں۔ چنانچہ پوچھتی ہیں۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ! تم نے مجھے ان عورتوں کے متعلق تو نہیں بتایا جو آپ سے شادی کی خواہش رکھتی تھیں۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے اس طرح مائل ہونے سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا روئے مبارک خوشی سے دمک اٹھتا ہے۔

آپ نے جواباً فرمایا۔ میں نے تمہارے علاوہ کسی کی طرف دھیان ہی نہیں کیا۔ قصہ کے ان حصوں کو تو تم جانتی ہو۔ لیکن اس کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جو تم نے ابھی نہیں سنا اور آج ہی رونما ہوا ہے۔ میں جب سے تمہارے استقبال کی تیاریوں کے لئے تمہارے گھر سے واپس آیا ہوں، کام میں مصروف رہا۔ جس کی وجہ سے میں کسی کو نہیں بتاسکا۔ یہ سن کر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا میں سننے کی مزید دلچسپی پیدا ہوگئی۔ مزاحاً فرمانے لگیں۔ کیا اور نئی امیدواروں نے مکہ مکرمہ کے شہزادے کو پیغام بھیجا ہے؟ آپ نے اس خوش طبعی پر مسکراتے ہوئے جواباً فرمایا۔ نہیں آمنہ رضی اللہ عنہا آج تو وہ شہزادہ صاحب کو کسی خاطر میں نہیں لائیں۔ اور کہا کہ اب یہ

۱ سیرت ابن اسحاق

پہلے سا شہزادہ نہیں رہا جس کے لئے وہ کچھ دن پہلے بے تاب تھیں۔ اور اس بے تابی اور رغبت میں انہوں نے شرم وحیا کا بھی لحاظ نہ رکھا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ یہ بات کہہ کر تھوڑی دیر کے لئے رک گئے اور اپنی دلہن کے چہرے پر نظر ڈال کر اپنی باتوں سے ان کے چہرے پر ابھرنے والے تاثر کو دیکھنے لگے۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے بات جاری رکھنے کا اشارہ کیا۔

ہاں آمنہ رضی اللہ عنہا! آج وہ میری طرف ملتفت نہیں ہوئیں اور ایسے سمجھا جیسے میں ان کے لئے کوئی نیا ہوں۔ تمہارے گھر سے واپس آتے ہوئے جب میں ان کے قریب سے گزرا تو انہوں نے مجھ سے بڑی بے رخی سے اپنے چہروں کو پھیر لیا۔ اس پر مجھے بڑا تعجب ہوا۔ اچانک پیدا ہونے والی اس تبدیلی کے راز کو جاننے کی دِل میں خواہش ابھری۔ میں نے نوفل بن اسد کی بیٹی سے پوچھا۔ کیا وجہ ہے؟ آج کل والی خاطر مدارت نہیں۔ اس نے بڑا عجیب جواب دیا۔ اس لئے کہ آج تمہاری پیشانی میں وہ نور نہیں جو کل چمک رہا تھا۔ اس لئے مجھے اب تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔ (۱)

اسی طرح فاطمہ بنت مرنے بھی یہ کہتے ہوئے منہ پھیر لیا۔ جو کل تھا، آج نہیں۔ مزید برآں کہنے لگی۔ میں کوئی فاحشہ نہیں ہوں۔ میں نے تو آپ کے چہرے پر ایک نور دیکھا تھا اور خواہش کی کہ وہ نور مجھے ملے۔ مگر خدا کو یہ منظور نہ تھا۔ پھر آپ نے کیا کہا؟ میں نے کہا کہ میرے والد نے میرا نکاح حضرت آمنہ بنت رضی اللہ عنہا وہب سے کردیا ہے۔ (۲)

پھر بڑی حیرت سے یہ اشعار کہے:

"اللہ تعالیٰ نے بنوزہرہ کی خاتون کو بڑی خوبیوں سے نوازا ہے جس نے تمہارے نور کو لے لیا ہے حالانکہ اسے معلوم ہی نہیں۔ جب اس نے اپنی آرزو پوری کر لی ہے تو اب میری آنکھ اس پر نہیں ٹھہرتی۔"

۱ سیرت ابن اسحاق ۱/۱۶۵　۲ تاریخ طبری ۲/۱۷۴

پھر میں نے تیسری عورت لیلیٰ عدویہ سے پوچھا۔ تم نے کس وجہ سے منہ پھیرا ہے۔

اس نے جواب دیا۔ جب آپ میرے پاس سے گزرے تھے تو میں نے تمہاری پیشانی میں ایک چمک دیکھی تھی۔ اسی بناء پر میں نے تمہیں دعوت دی تھی لیکن تو نے انکار کر دیا اور حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کر لی اور وہ اس نور کو لے گئی۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ خاموش ہوگئے اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے بھی چپ سادھ لی۔ اور دونوں قریشی عورتوں کے اس رویہ کے بارے میں سوچنے لگے۔

پھر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اس سکوت کو توڑا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ نوفل بن اسد کی بیٹی کی بات دوبارہ سنائیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، سیدہ آمنہ کی اس دلچسپی سے کچھ وہم میں پڑ گئے۔ اس وہم میں آپ نے ان سے پوچھا۔ تم باقی کو چھوڑ کر نوفل بن اسد کی بیٹی ہی کے بارے میں کیوں پوچھ رہی ہو؟ انہوں نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ آپ کو خود ہی معلوم ہوجائے گا۔ آپ اس کی بات بتائیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو چار و ناچار بتانا پڑا۔ فرمایا میں نے اس سے پوچھا تھا کہ کیا بات ہے؟ آج کل والی خاطر مدارات نہیں۔ اس نے بڑا عجیب سا جواب دیا۔ اس لئے کہ آج تمہاری پیشانی میں وہ نور نہیں جو کل چمک رہا تھا۔ اس لیے مجھے اب تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد سیدہ آمنہ نے کہا۔ اے ابن عم! مجھے ان باتوں میں کچھ دکھائی دے رہا ہے۔ یہ عورت ورقہ بن نوفل کی بہن ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ وہ نصرانی ہوگئے ہیں اور آسمانی کتب کے عالم ہیں۔ انہوں نے اس اُمت میں نبی کے مبعوث ہونے کی بشارت سنائی ہے۔

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد سلسلہ کلام کو جاری کرتے ہوئے کہا میں تو بھول ہی گئی۔ فاطمہ بنت مر بھی کتب پڑھتی رہتی ہے اور وہ بنو خثعم کی کاہنہ ہے۔

یہ سن کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک بھرپور نظر سے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے چہرے کی

طرف دیکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں:

کیا آمنہ رضی اللہ عنہا تمہارے خیال میں ہم ہی ....

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ابھی اپنی بات مکمل نہیں کرنے پائے تھے کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اونگھنے لگیں۔ اور وہ نبی ﷺ، جس کا عالم ارضی انتظار کر رہا ہے۔ ان کے اور ان کے بارے میں آثار اور علامات جو پورے عرب میں زبان زد عام ہیں کے تصورات میں گم جلد ہی نیند کی آغوش میں چلی گئیں۔ آپ تمام رات نیند میں رہیں اور ایک ہی خواب دیکھتی رہیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تمام رات آپ کے پاس جاگتے رہے۔ آپ سپیدۂ سحر کے وقت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے روئے اقدس پر ہلکی سی مسکراہٹ دیکھتے ہیں۔ جس سے آپ کے اپنے خوبصورت چہرے پر نور کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد آپ پرسکون نیند سے بیدار ہوتی ہے اور شوہر نامدار کو خواب سنانے لگتی ہیں کہ خواب میں دیکھتی ہیں کہ جسم اطہر سے ایک نور پھوٹتا ہے۔ جس سے اردگرد کا ماحول اور دنیا روشن ہوجاتی ہے جس میں وہ شام میں واقع بصریٰ کی محلات کا مشاہدہ کرتی ہیں اور پھر ہاتف غیبی کی آواز سنتی ہیں:

"آمنہ رضی اللہ عنہا تم حاملہ ہو اور تمہارے بطن مقدس میں اس امت کا سردار تشریف فرما ہوا ہے۔" (۱)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ چند دن اپنی دلہن کے ساتھ گزارتے ہیں۔ دنوں کی تعداد؟ کتب تاریخ میں مذکور نہیں۔ اکثر مؤرخین کے نزدیک یہ مدت دس دن سے زیادہ نہیں۔ پھر آپ شام اور غزہ جانے والے قریش کے قافلہ کے ساتھ جانے کے لئے تیاری شروع کر دیتے ہیں۔ ان چند راتوں، جو دولہا اور دلہن نے جدائی سے پہلے گزاریں، میں لازماً نوفل بن اسد کی لڑکی کی نور کے جدا ہونے والی بات کا ذکر ہوا ہوگا۔ نجانے عالم تصورات میں کن کن بلندیوں اور آفاق میں گھومے ہوں گے۔ نجانے ان کے سینے میں کتنی عظیم آرزوئیں مچلی

---

۱ سیرت ابن ہشام: ۱/۱۶۶

ہوں گی۔ جنہیں حاصل کرنا عموماً محال یا مشکل ہوتا ہے۔

ہوسکتا ہے سوداء بنت زہرہ کلابیہ کے قصہ کا بھی دونوں نے ذکر کیا ہو۔ جب یہ پیدا ہوئی تو اس کے باپ نے دیکھا کہ اس کا رنگ نیلا اور اس کے بدن پر نشان تھے۔ اس نے اسے زندہ درگور کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اسے دفن کرنے کے لئے حجون کے قبرستان میں لے آیا۔ جب گورکن گڑھا کھودنے لگا تو اس نے ہاتف غیبی کی آواز سنی:

"تم اس بچی کو زندہ درگور نہ کرو اور اسے صحرا میں چھوڑ دو"

اس نے یہ آواز بار بار سنی، وہ لڑکی کو اس کے باپ کے پاس لے آیا اور اسے تمام حال سے آگاہ کیا۔ اس کے باپ نے کہا اسے چھوڑ دو، اسے کوئی شان حاصل ہوگی۔ چنانچہ وہ بڑی ہو کر قریش کی کاہنہ بن گئی۔ ایک دن بنو زہرہ سے کہا:

"تم میں ایک نذیرہ ہے جو ایک نذیر (خطرہ سے بروقت آگاہ کرنے والا) کو جنم دے گی۔ اپنی لڑکیوں کو میرے پاس لاؤ۔

انہوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اس نے ہر لڑکی کے بارے میں جو پیش گوئی کی وہ سچ ثابت ہوئی۔ حتیٰ کہ جب سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی باری آئی تو کہنے لگی:

"یہی وہ نذیرہ ہے، جو ایک نذیر کو جنم دے گی۔"(۱)

---

۱ الروض الانف: ۱/۴۱

بحث چہارم

☆ فراق

☆ یثرب کی طرف قاصد

☆ لوٹ کر نہ آنے والا مسافر

فراق

پھر جدائی کی گھڑی آ گئی۔ جب قافلہ والوں نے کوچ کا نقارہ بجایا، تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی رفیقہ حیات کو الوداع کہا تو وہ فرط جذبات سے آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ چمٹ گئیں۔ اس لمحہ ان کو طرح طرح کے خیالوں، وسوسوں اور وہموں نے گھیر لیا۔ اور آپ پر غم وضطراب کی کپکپاتی لہریں چھا گئیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ ان پر یہ کیفیت جدائی کے غم کی وجہ سے طاری ہوئی ہے۔ چنانچہ آپ نے سیدہ پر ہاتھ رکھ کر دلاسا دیا اور اپنے آپ کو ان سے جدا کر لیا۔

پھر صحن میں کھڑے ہو گئے اور اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہا آمنہ! یہ چند ہفتوں کی بات ہے۔ میں جلد ہی واپس آ جاؤں گا۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے انتہائی دھیمی آواز میں کہا میں یہاں اکیلی کیا کرونگی آپ رضی اللہ عنہ تو جا رہے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بڑے پیار سے جواب دیا تم میرے خیالوں اور یادوں میں گم رہنا جو تمہیں میری موجودگی کا احساس دلاتے رہیں گے۔ اور میرے دِل کی حفاظت کرنا جو میں تمہارے پاس چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ میں تو خالی جسم کے ساتھ سفر پر جا رہا ہوں اور وہ بھی پاکیزہ زمین کی طرف مائل اور عزیز رفیق کا مشتاق رہے گا۔ یہ سن کر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے منہ سے آہ نکلی اور کہا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ! جدائی کی راتیں بڑی طویل ہوتی ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے پیچھے مڑ کر کہا۔ آمنہ رضی اللہ عنہا بھلی مانس یہ کوئی پریشانی کی بات ہے؟ جدائی کی ان لمبی راتوں میں حسین خواب تمہارا دِل بہلاتے رہیں گے۔ کیا تم بنت نوفل اور فاطمہ بنت مرکا قصہ بھول گئی ہو۔ ابھی چند ہی دِن پہلے تم نے ایک حسین خواب دیکھا تھا تمہیں یاد نہیں؟

حتیٰ کہ آپ دروازے پر پہنچ گئے۔ اور اپنے جذبات کو قابو رکھتے ہوئے جلدی سے

باہر نکل گئے۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے کمرے کے دروازہ پر کھڑی رہیں۔ جس سے اب انہیں تنہائی کی وحشت محسوس ہونے لگی۔ انہوں نے دِل پر ہاتھ رکھ لیا تا کہ کہیں وہ شدت جذبات سے پھٹ نہ جائے۔ تھوڑی دیر بعد آپ کی کنیز اُم ایمن آتی ہیں اور بڑے پیار سے آپ کو کمرے میں لے جاتی ہیں۔ بڑی نرمی، محبت اور الفت سے ان کی ڈھارس بندھاتی ہیں۔

شب وروز اسی طرح گزرتے رہے۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فراق کے غم سے خلوت اختیار کر لیتی ہیں۔ آپ کے گھر والے اور حضرت عبدالمطلب آپ کو صحت کی خاطر اس تنہائی سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن آپ گھر والوں اور سہیلیوں کے ساتھ میل جول رکھنے کے بجائے خلوت گزیں ہی رہتی ہیں۔ شاید وہ اپنی خلوت میں دوسروں کی مداخلت اس لئے ناپسند کرتی ہیں کہ اس میں انہیں جانے والے کو یاد کر کے اپنے غم واضطراب کو ہلکا کرنے کا موقع ملتا تھا۔

اس طرح ایک ماہ گزر گیا۔ اس میں کوئی نئی چیز رونما نہ ہوئی سوائے اس کے کہ سیدہ آمنہ کو حمل کے آثار محسوس ہوئے۔ حمل کا یہ احساس آپ کے لئے بوجھ نہیں تھا۔ بلکہ لطافت اور رقت کا باعث تھا۔ حافظ ابن سیدالناس، واقدی کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ وہب بن زمعہ کی پھوپھی بیان کرتی ہیں کہ۔

''ہم سنا کرتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ جب حاملہ ہوئیں تو آپ نے فرمایا مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ میں حاملہ ہوگئی ہوں۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہوا کہ میرے ایام ماہواری بند ہوگئے ہیں۔ اس سے پہلے یہ کبھی بند ہوجاتے تھے اور کبھی شروع ہوجاتے تھے۔ ایک روز نیم خوابی کے عالم میں تھی کہ کوئی آنے والے میرے پاس آیا اور اس نے پوچھا آمنہ! تمہیں معلوم ہے کہ تم حاملہ ہو، میں نے جواب دیا نہیں۔ پھر اس نے بتایا تم حاملہ ہوا اور تمہارے بطن میں اس امت کا سردار اور نبی تشریف فرما ہوا ہے اور جس دن یہ واقعہ پیش آیا وہ

پیر کا دن تھا۔ اس دن مجھے حمل کا یقین ہوگیا۔''(۱)

امام زہری روایت کرتے ہیں کہ سیدہ آمنہ نے فرمایا۔ حمل سے وضع حمل تک میں نے کوئی تکلیف محسوس نہیں کی۔ (۲) جب آپ کو حمل کا علم ہوا تو آپ کے دِل میں خواہش پیدا ہوئی کاش کہ میں اڑ کر جاؤں اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو یہ خوشخبری سناؤں۔ اس سے آپ کے چہرہ مبارک پر کچھ رونق لوٹ آئی۔ فراق کی تلخی کو کچھ اس چیز نے بھی کم کر دیا تھا کہ بہت سے دن بیت چکے تھے۔ ہر آنے والا دن انہیں اس ملاقات کے قریب کر رہا تھا جس کا وہ بڑی بے چینی سے منتظر تھیں۔ مبارک حمل سے ان کے یقین میں اور اضافہ ہوگیا تھا اور وہ خواہش رکھتی تھیں کہ جیسے ہی ان کے شوہر نامدار اپنے سفر سے واپس لوٹیں تو وہ سب سے پہلے ان کو یہ خوشخبری دیں۔

دوسرے مہینے کے بھی چند دن گزر گئے۔ قافلہ کے واپس آنے کا وقت قریب تھا۔ سیدہ آمنہ باقی دن رات گن گن کر گزار رہی تھیں۔ استقبال کے لئے تیاری کر رہی تھیں وہ تصور کرتیں کہ ان کے شوہر نامدار واپس لوٹ آئے ہیں۔ اور انہیں سفر کی مشکلات اور صعوبتوں کی روداد سنا رہے ہیں۔ سیدہ رضی اللہ عنہا یہ بھی خیال کرتی تھیں کہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ صبر سے کام لیں اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو فوراً خوشخبری نہ سنائیں۔ نیز ان کی اپنی روداد سفر سنانے سے پہلے وہ اپنے سوتے جاگتے میں دیکھے ہوئے خواب چھپا کر رکھیں۔ قافلہ کے لوٹنے سے چند دن پہلے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا انہیں خیالوں میں گم رہتیں۔

جب قافلہ کی آمد کے آثار ظاہر ہوئے تو ان کے دِل کی دھڑکن اور تیز ہوگئی۔ اور وہ صحن میں باہر کے دروازے کے قریب ہو کر انتظار کرنے لگیں کہ وہ جونہی نمودار ہوں تو ان کی پہلی جھلک وہ دیکھیں۔ انتظار کی یہ گھڑیاں جب طویل ہونے لگیں تو آپ کے دِل میں طرح طرح کے وسوسے اور شکوک پیدا ہونے لگے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کو پھر اچانک خیال آتا ہے کہ

---

۱ عیون الاثر: ۱/۲۵ ۲ ایضاً

ان کی کنیز برکہ (ام ایمن) گھر میں نہیں ہے۔ جب سے قافلہ کی آمد کی خبر پھیلی ہے اسی دن سے قافلہ کی راہ تکنے گئی ہوئی ہے۔ تاکہ سب سے پہلے وہ اپنی مالکن کو قافلے کے آنے کی خوشخبری سنائے۔ اسی اثناء میں آپ ساتھ والے گھروں میں مسافروں کی آمد کا شور سنتی ہیں۔ خیال کرتی ہیں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ انہیں کس چیز نے روک لیا ہے۔ وہ جلدی کیوں نہیں آ رہے؟

شاید سفر سے واپسی پر طواف کرتے ہوئے انہیں کسی واقف کار نے روک لیا ہے۔
شاید آپ اپنے بوڑھے والد کے ساتھ آ رہے ہوں۔ اور ان کے بڑھاپے کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے ساتھ آہستہ آہستہ چل رہے ہوں۔

شاید یہ............شاید وہ............

یثرب کی طرف قاصد

پھر باہر سے ہولے ہولے اٹھتے قدموں کی چاپ سنتی ہیں ان کی نگاہیں دروازے پر لگ جاتی ہیں۔ مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا دیتی ہیں۔ پھر جب ایک لمحہ جوان پر صدیوں بھاری تھا، کے بعد دروازہ کھلتا ہے تو ان کے پاؤں سے زمین سرکتی نظر آتی ہے۔ وہ چپ چاپ حیران وہیں کھڑی رہیں جہاں کھڑی تھیں۔ یہ کیا؟ یہ آنے والے عبداللہ ؓ تو نہیں۔ یہ تو بزرگ حضرت محترم عبدالمطلب ہیں۔ ان کے جلو میں ان کے والد اور دوسرے اعزہ و اقارب ہیں اور پھر ان کے چہروں پر پریشانی اور اضطراب کے سائے ہیں اور اُم ایمن بھی ان کے پیچھے سر جھکائے ہوئے ہے اور اُمڈتے ہوئے آنسوؤں کو چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔

وہب نے سیدہ آمنہ ؓ کے چہرے سے نظر بچاتے ہوئے کہا، بیٹی کچھ حوصلہ کرو۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ قافلہ واپس لوٹ آیا ہے۔ ہم اُسی کے انتظار میں حرم شریف میں بیٹھے تھے۔ حضرت ؓ عبداللہ کے رفقاء نے ہمیں بتایا ہے کہ انہیں راستہ میں وبائی بخار نے آلیا تھا۔ عنقریب صحت یاب ہونے کے بعد وہ تمہارے پاس لوٹ آئیں گے۔ ان کے بعد حضرت المطلب نے بھی انہیں دلاسہ دیتے ہوئے کہا آمنہ ؓ! یہ معمولی بخار ہے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ان کے ساتھیوں نے بتایا ہے کہ وہ انہیں یثرب ان کے ماموں کے پاس چھوڑ آئے ہیں۔ میں نے ان کے بھائی حارث کو یثرب انہیں لینے کے لئے بھیجا ہے۔ صبر سے کام لو۔

سیدہ آمنہ ؓ نے جواب دیا عم محترم! ضرور، پھر فوراً اپنے کمرہ میں جا کر حضرت

عبداللہ ؓ کی صحت کے لئے دعا میں اتنی مشغول ہوجاتی ہیں کہ اپنے اردگرد کسی کا احساس ہی نہیں رہتا۔ لوگ انہیں اسی کیفیت میں چھوڑ کر بیت اللہ میں دعا کے لئے نکل جاتے ہیں۔ اسی طرح دوسرا مہینہ بھی مکمل ہوجاتا ہے۔ سیدہ آمنہ اپنے دِل سے نااُمیدی کو دور کرنے کی پوری کوشش کرتی ہیں۔ اور اپنا اکثر وقت دعا میں گزارتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس مسافر کو لائے جس کے لئے ایک بھاری فدیہ ادا کیا گیا۔ آپ کو جب بھی تھوڑی سی نیند آتی تو آپ کو پیدا ہونے والے عظیم بچے کا وہی خواب آتا جس سے وہ حاملہ تھیں۔ اور اپنے بچے کی بزرگی اور اس کے نبی ہونے کی ہاتف غیبی سے بشارت سنتیں۔ جب آپ نیند سے بیدار ہوتیں تو حضرت عبداللہ ؓ کو نہ پاکر آپ کو صدمہ ہوتا کہ کسے اپنا حسین خواب سناؤں اور کون یہ خوشخبری سنے۔

لوٹ کر نہ آنے والا مسافر

چند دنوں بعد............

حارث بن عبدالمطلب اکیلے ہی یثرب سے واپس آ جاتے ہیں اور اپنے بوڑھے باپ، سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اور دیگر بنی ہاشم اور قریش کو اپنے نوجوان بھائی کے وصال کی الم ناک خبر سناتے ہیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو یثرب میں اپنے ماموں کے پاس اسی وقت اجل نے آلیا تھا جب قافلہ والوں نے انہیں ان کے پاس چھوڑا تھا۔ صحیح قول کے مطابق آپ یثرب ہی میں دفن ہوئے اور اس مرتبہ آپ کا کوئی فدیہ قبول نہ کیا گیا۔

یہ المناک خبر سنتے ہی سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا پر سکتہ طاری ہوگیا۔ آنکھیں پتھرا گئیں اور ان سے کوئی آنسو نہ نکلا۔ اس عالم میں آپ کے چہرہ پر رنج والم کے آثار ظاہر نہ ہوئے چند دن یہی کیفیت رہی۔ آپ کو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی رحلت کا یقین ہی نہ آتا تھا آخر جب انہیں یہ یقین ہوگیا تو آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات لگ گئی۔ چنانچہ آپ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا درد وسوز سے معمور ایک مرثیہ کہا جسے سیرت نگاروں نے روایت کیا ہے۔

''بطحاء وادی کے کنارے نے ہاشم کے بیٹے کو موت کی نیند سلا دیا وہ مختلف پردوں میں لپٹا ہوا مکہ سے باہر لحد کا پڑوسی بن گیا، موت نے اسے اچانک دعوت دی جسے اس نے قبول کرلیا اور اس نے لوگوں میں ہاشم کے اس بیٹے کا کوئی مثل باقی نہیں چھوڑا، شام کے وقت جب اس کے دوست اس کی چار پائی اٹھا کر لیجا رہے تھے۔ تو وہ انبوہ کی وجہ سے باری باری کندھا بدل رہے تھے۔

اگرچہ موت اور مشکلات نے اسے جھپٹ لیا ہے لیکن وہ درحقیقت بہت سخی اور بہت رحم کرنے والا تھا۔'' پھر آپ خاموش ہوگئیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہ کہا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی اچانک رحلت سے ان کے والد حضرت عبدالمطلب، ان کے بھائیوں اور بہنوں کو سخت صدمہ ہوا۔ (۱)

بلکہ نوجوان حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے **دیارِ غیر** میں اس طرح انتقال فرمانے سے پورا مکہ سوگوار تھا جس کی شادی کا جوڑا ابھی **میلا نہیں ہوا تھا**۔ ابھی چند دن پہلے جن کا فدیہ دینے پر لوگ خوشی سے نعرے لگا رہے تھے۔ آج وہ رنج والم سے دھاڑیں مار کر رو رہے ہیں۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے داعئ اجل کو لبیک کہا اس وقت آپ کی عمر مبارک اٹھارہ سال تھی۔ (۲) یوں نوجوان دلہن بیوہ ہوگئی جس کے ہاتھوں کی مہندی کا رنگ بھی ابھی ماند نہیں پڑا تھا۔

---

۱ النوری: ۶۶/۱۶ ۲ سبکی: ۱/۱۸۵۔ اصح اور مشہور قول یہی ہے۔ ابن سعد کے نزدیک پچیس سال ہے اور صاحب عیون الاثر تیس سال بتاتے ہیں۔

بحث پنجم

☆ آثارولات

☆ ولادت

☆ رضاعت

آثارولادت

"ہرزمانہ کے رسول نے اپنی قوم کو آپ ﷺ کی آمد کی خوشخبری دی۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو یہ فضیلت مبارک ہو جس کی بدولت حضرت حواعلیہا السلام کو بھی عظمت حاصل ہوئی۔" (بُصیری)

تعزیت کے لئے آنے والے تو چلے گئے............

لیکن گھر والے ابھی تک حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی جدائی کا غم نہیں بھولے جو یثرب سے دور اپنی قبر میں چپکے سے آرام فرما ہوگئے۔

اس بارے میں انہیں بڑی حیرت تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنی جلدی اپنے پاس بلالینا تھا تو فدیہ میں کیا حکمت تھی؟ کون جانتا ہے کہ جس کے لئے حرم میں سواونٹ ذبح کر کے انہیں انسانوں اور جانوروں کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ موت اس کے قریب چند قدم کے فاصلے پر کھڑی ہے۔ اس قسم کے سوال سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے ذہن میں بھی اٹھتے تھے۔ وہ تنہائی میں جانے والے کے غم میں گھلتی رہتی تھیں۔ یہاں تک کہ گھر والوں کو ان کی صحت کی فکر پڑ گئی۔ ہر ایک نے انہیں باری باری تسلی دینے کی کوشش کی۔ لیکن ان پر ان تسلیوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ انہوں نے صبر وتحمل کی تلقین کی۔ آپ نے اس کی بھی کوئی پرواہ نہ کی۔ آپ کا خیال تھا کہ یہ تو جانے والے محبوب کے ساتھ بے وفائی ہے کہ اسے یاد بھی نہ کیا جائے۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی یہ حالت دیکھ کر بنوہاشم اور بنوزہرہ کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ شوہر کی جدائی کا غم کہیں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو بھی ہم سے جدا نہ کردے۔

مہینہ بھر اہل مکہ اس اضطراب میں مبتلا رہے کہ بیوہ دلہن کو اس کا یہ غم کس انجام تک پہنچاتا ہے۔ ماہ شوال کی ایک رات، عیادت کرنے والے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہیں وہ غم میں ڈوبی ہوئی ہر ایک مرد اور عورت سے پوچھتی ہیں۔

''اس فدیہ میں کیا حکمت پوشیدہ تھی جب اللہ تعالیٰ نے ان کی جلد اجل کا وقت مقرر کر رکھا تھا۔ پھر اس شادی کا اہتمام کس لئے تھا؟ جب تقدیر کے ہاتھ اس کے لئے یثرب میں قبر کھود رہے تھے۔ مگر جلد ہی انہیں اس حکمت کا الہام ہو جاتا ہے''۔ آپ فرماتی ہیں۔

''آخر مجھے وہ حکمت معلوم ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے ذبح کے بدلے میں یہ فدیہ یونہی نہیں لیا۔ بلکہ اس کے بدلہ انہیں مہلت دی ہے کہ وہ اس میں اس امانت کو میرے سپرد کر دیں جسے میں اپنے بطن میں محسوس کر رہی ہوں۔ اور جس کے لئے میرا زندہ رہنا ضروری ہے''۔

اسی وقت اللہ تعالیٰ نے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو سکون اور اطمینان بخش دیا۔ جس سے انہوں نے اپنے اندر تمام غموں کو جذب کر لیا اور اپنے اُس بچہ کے بارے میں سوچنے لگیں جو اُن کے لئے نئی زندگی کا پیام لانے والا ہے۔ اور جس کے لئے انہیں زندہ رہنا ہے، سیدہ آمنہ کی مامتا سے پہلے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بارے میں وارد مختلف روایات کی طرف اشارہ کرنا چاہتی ہوں۔

کیا آپ کی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پہلے ہوئی یا بعد میں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یتیم ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ سوۂ ضحیٰ میں اس کا صراحتاً ذکر ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''کیا اس نے نہیں پایا آپ کو یتیم پھر (اپنی آغوش رحمت میں) جگہ دی''(۱)

مشہور قول یہی ہے کہ آپ بحالت یتیمی پیدا ہوئے۔ ابن اسحاق نے بھی اسی قول پر اکتفا کیا ہے۔ کسی اختلاف کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جلد ہی والد رسول حضرت

۱ الم یجدك یتیما فاٰوىٰ ۲ سیرت ابن ہشام: ۱/۱۶۷

عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب وصال فرما گئے اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حاملہ تھیں۔(۲)

ابن ہشام نے بھی ابن اسحاق کی اس عبارت کو بعینہٖ ذکر کر دیا ہے۔ اس میں کوئی اضافہ یا اس کوئی نقد و تبصرہ نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس دور میں اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ زہری روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اناج لینے یثرب بھیجا۔ آپ کا وہاں انتقال ہوگیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ قریش کے تجارتی قافلہ کے ساتھ شام گئے۔ واپسی پر بیمار ہونے کی وجہ سے یثرب ٹھہر گئے اور وہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے وصال فرما گئے۔

یہ روایت بھی تواتر سے ملتی ہے کہ جب دیہاتی عورتیں بچوں کو لینے مکہ مکرمہ آئیں تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی یتیمی کی وجہ سے لینے سے انکار کر دیا۔

''نہایۃ الارب'' میں ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بھائی حارث آپ کو لینے کیلئے یثرب پہنچے۔ تو آپ کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ کو وہیں دفن کر دیا گیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اس دنیا میں جلوہ افروز نہ ہوئے تھے۔(۳)

لیکن سُہیلی نے ''الروض الانف'' میں لکھا ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا وصال اس وقت ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پنگھوڑے میں تھے۔ یہ قول دولابی سے منقول ہے۔

ایک قول کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت دو ماہ یا اس سے کچھ زیادہ تھی۔ اسے ابوخیثمہ نے ذکر کیا ہے۔ ایک اور قول کے مطابق اس وقت آپ کی عمر سوا دو سال تھی۔(۱)

سیرت ابن ہشام کے ناشرین نے سہیلی کی اس عبارت کو بغیر کسی تحقیق کے حاشیہ

۳ نہایۃ الارب: ۲۶۶/۲ ۱ الروض الانف: ۱/۸۴

میں لکھ دیا ہے۔ برزنجی نے بھی اس اختلاف کی طرف معمولی سا اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ
مشہور قول کے مطابق جب سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے حمل کے دو ماہ مکمل ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ
کے والد ماجد کا یثرب میں انتقال ہوگیا۔ آپ شام سے واپس آتے ہوئے اپنی بیماری کی وجہ
سے وہاں اپنے ماموں کے پاس ٹھہر گئے تھے۔ (۲)

شیخ علیش نے ''المولد النبوی'' کی شرح میں ان مختلف اقوال کی طرف اشارہ کیا
ہے جن کو علامہ برزنجی نے نقل کیا ہے یعنی۔

''جب والدِ رسول ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اس وقت حضور ﷺ کی عمر
سات ماہ تھی۔ اور بعض کے نزدیک سوا دو سال تھی۔''

ان روایات سے قطع نظر جب ہم جدید سیرت نگاروں کی طرف رجوع کرتے ہیں
تو انہیں اسی بات پر مطمئن پاتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی رحلت اس وقت ہوئی جب
رسول اللہ ﷺ ابھی شکم مادر میں جلوہ فرما تھے۔ بودلی نے اپنی کتاب ''الرسول'' میں لکھا ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالمطلب کو اپنے تمام بیٹوں میں سب سے زیادہ
عزیز اور پیارے تھے۔ غالب گمان یہی تھا کہ وہی اپنے والد کے جانشین بنتے۔ لیکن موت
نے انہیں مہلت نہ دی۔ وہ سیدہ آمنہ سے شادی کرنے کے بعد ایک تجارتی سفر کے دوران
انتقال کر گئے۔ ان کی قسمت میں اپنے عظیم بیٹے کا دیدار نہیں تھا جو ان کے وصال کے چند ماہ
بعد اگست 570ء میں پیدا ہوئے۔'' (۱)

فلپ ہٹی نے بھی رسول اللہ ﷺ کی ولادت سے قبل آپ کے والد حضرت
عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا ذکر کیا ہے۔ اور پھر اس کے بعد کسی قسم کے اختلاف کا اشارہ نہیں
کیا۔ (۲)

ڈاکٹر محمد حسین ہیکل کامل اعتماد اور اطمینان سے ذکر کرتے ہیں کہ حضرت

---

۲ المولد النبوی: ۱۲ ۔ ۱ الرسول: ۸ ۔ ۲ تاریخ العرب: ۱۳۵

عبداللہ رضی اللہ عنہ جب اپنے آخری سفر پر شام گئے تو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اس وقت حاملہ تھیں۔
حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد ہی رسول اللہ ﷺ پیدا ہوتے ہیں۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا
بیت اللہ میں حضرت عبدالمطلب کو خوشخبری بھیجتی ہیں کہ آپ کا پوتا تولد ہوا ہے۔

مگر بعض جدید مفکرین ان روایات کو ترجیح دیتے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی
ولادت کے بعد آپ ﷺ کے والد گرامی رضی اللہ عنہ کی وفات کا ذکر ہے۔ اور ان میں ہمارے
استاذ امین خولی بھی شامل ہیں۔ وہ ان روایات کی اسناد قوی ہونے کی بنا پر ان کو پہلی روایات
پر ترجیح نہیں دیتے۔ بلکہ وہ علم نفسیات کے اس مفروضہ سے استدلال کرتے ہیں کہ حمل کے
وقت ماں کی ذہنی کیفیات کا بچے کے جسم، اخلاق اور اعصاب پر اثر پڑتا ہے اور حضور ﷺ کی
حیات مقدسہ آپ کے جسم اور اعصاب کے صحت مند ہونے کی گواہی دیتی ہے۔ آپ
ﷺ نے زندگی کے کئی معرکوں میں حصہ لیا۔ حالانکہ ان میں سے صرف ایک معرکہ ہی انسان
کے جسمانی، اعصابی اور ذہنی امتحان لینے کے لئے کافی ہے۔ اور آپ ﷺ زندگی کے تمام
معرکوں میں دوسروں کے لئے نمونہ کامل تھے اور اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ آپ
کی والدہ ماجدہ عرصہ حمل میں کسی اعصاب شکن غم سے دوچار نہیں ہوئیں اور نہ بیوگی کا رنج
اٹھانا پڑا جس سے آپ کا اطمینان اور راحت جاتی رہتی۔

ان کا یہ استدلال ذاتی رائے ہے دلائل کے ساتھ نہیں۔ اگرچہ سورۃ ضحیٰ کی آیت
کریمہ دونوں اقوال کی تائید کرتی ہیں۔ لیکن قدیم سیرت نگاروں کے نزدیک پہلا قول ہی
زیادہ اصح ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی مشہور ہے کہ پیدائش کے پہلے دن ہی حضرت
عبدالمطلب نے اپنے یتیم پوتے کی کفالت اپنے ذمہ لے لی اور اسی یتیمی کی وجہ سے دودھ
پلانے والی عورتوں نے آپ کو نہ لیا اور جہاں تک حالت حمل میں سیدہ آمنہ کی ذہنی کیفیت کا
تعلق ہے تو اس دوران آپ نے جو خواب دیکھا اور جو ہاتف غیبی سے بشارتیں سنیں انہوں

نے آپ کے غم کو کافی حد تک ہلکا کر دیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وافر سکون واطمینان عطا فرما دیا تھا۔

مکہ مکرمہ کے گھر گھر میں یہ پرمسرت خبر پہنچ چکی تھی۔ قریشی عورتیں جوق در جوق آپ کو مبارک باد دینے آ رہی تھیں اور اس ولد مسعود مبارک کی جلوہ گری کے موقع پر ملنے والی بشارتوں کو غور سے سن رہی تھیں۔ ان دنوں جزیرہ عرب میں ''نبی منتظر'' کا چرچا عام تھا۔ یہود ونصاریٰ کے علماء اور عرب کے کاہنوں نے خبر دی تھی کہ ان کی آمد کا زمانہ بالکل قریب ہے۔(۱)

ممکن ہے کہ ابتداء میں عربوں نے اس امر کی طرف توجہ نہ دی ہو۔ لیکن میں پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے ان مبشرات پر پوری توجہ دی ہوگی۔ انہیں ابھی تک نہیں بھولا ہوگا کہ عرب کے نوجوانوں میں سے ان کے خاوند کو ہی عظیم فدیہ کے لئے منتخب کیا گیا تھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدا کے بعد تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا تھا۔

آپ کے کانوں میں ورقہ بن نوفل کی بہن اور فاطمہ بنت مر کی باتوں کی بازگشت گونج رہی ہوگی۔ ایک نے کہا تھا، شادی کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی سے نور غائب ہو گیا ہے۔ دوسرے نے کہا تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی کی چمک بنت وہب لے گئی ہے اور اس نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ میں دوسری عورتوں کیلئے کوئی کشش نہیں چھوڑی۔

ان کے ساتھ ساتھ آپ کا تعلق مکہ مکرمہ میں حکمران خاندان سے تھا۔ اور اس ماحول کی عورتوں کی یہ شان تھی کہ وہ اعلیٰ مقاصد کی حامل تھیں اور ایسے عظیم بچے کی خواہش رکھتی تھیں جس کا عظمت و بزرگی میں کوئی مقابل نہ ہو۔

جمہور مسلم مؤرخین نے ان روایات پر اعتماد کیا ہے جن میں حمل کے وقت سیدہ

---

۲ تفصیل کے لئے ''شمائل ترمذی'' سیرت ابن ہشام، الروض الانف، عیوان الاثر نہایۃ الارب ۱ حیاۃ محمد: ۲۹

آمنہ رضی اللہ عنہا کے لئے مبشرات ثابت ہیں۔ اگرچہ ڈاکٹر محمد حسین ہیکل اس مقام پر ان کی طرف اشارہ کیے بغیر ہی گزر گئے ان کے الفاظ یہ ہیں۔

پھر جب سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے حمل کے ایام مکمل ہو گئے تو انہوں نے بچے کو جنم دیا۔ جس طرح ہر عورت جنم دیتی ہے۔(۱)

اکثر مستشرقین بھی ان روایات کا صریح انکار کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ بودلی جو ان میں سب سے زیادہ منصف مزاج اور رسول خدا ﷺ کی شخصیت کا مداح ہے، نے بھی ان روایات کو قبول نہیں کیا۔ وہ اپنی کتاب ''الرسول'' میں کہتا ہے۔

''رسول خدا ﷺ کی ولادت کے وقت کوئی عجیب اسرار ظاہر نہیں ہوئے۔ قطع نظر چند خرافات کے جس کو عقل قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، نہ ہی کوئی بشارت دی گئی ہے۔ بلکہ جس طرح ہر عورت حمل کے بعد بچہ جنتی ہے اسی طرح آپ ﷺ کی والدہ نے آپ ﷺ کو جنا۔''(۲)

مجھے سخت حیرت ہے کہ اس قسم کی عبارت بودلی جیسے شخص کے قلم سے نکلی ہے۔ جس کی اعتدال پسندی اور تاریخ کے حوالے سے اس کی سخت امانت داری اور درست اسلوب کا مجھے بھی اعتراف ہے۔ اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس طرح عام عورتیں حاملہ ہوتی ہیں اور بچہ جنتی ہیں اس طرح محمد ﷺ کی والدہ حاملہ ہوئیں اور انہیں جنا۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ اس نے سیدہ آمنہ کے ساتھ پیش آنے والے ان واقعات کا کیوں انکار کیا ہے حالانکہ یہ تو وہ حقائق ہیں جو ان حالات میں کسی بھی عورت کے ساتھ پیش آ سکتے تھے۔ یعنی وہ حاملہ ہوتی اور بچہ جنتی اور یہ واقعات رُونما ہوتے۔

حد درجہ حیرت تو اس بات پر ہے کہ وہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے دِل میں آنے والے خیالات کو خرافات کیوں قرار دیتا ہے؟ کیا انہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے دِل میں پیدا

---

۲ الرسول ص: ۲۵

ہونے والے بچہ کے بارے میں عظمت وبزرگی کی نیک آرزو کریں۔

بودلی اگر علم نفسیات والوں سے پوچھتا تو وہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے خوابوں کو خرافات قرار دینے کو ناپسند کرتا۔ بلکہ حقیقتاً تو خرافات یہ ہیں کہ ہم سیدہ آمنہ کو ان کی بشریت اور مامتا کی آرزوؤں سے جدا کر دیں۔ جب بھی کوئی عورت حاملہ ہوتی ہے تو وہ اپنی فضا اور ماحول کے مطابق اپنے بچہ کے لئے اعلیٰ مناصب کی آرزو کرتی ہے۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے ماحول میں عظمت وشرافت اور حسب نسب کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اسی طرح ان کے خاوند حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی زندگی بھی ایسے کمالات سے لبریز ہے جن میں کوئی دوسرا ان کے ساتھ شریک نہیں۔ ان حالات میں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا خواب میں دیکھیں جس میں انہیں کوئی خوشخبری دے رہا ہے کہ تم اس امت کے سردار کو جنم دوگی۔ ہند بنت عتبہ کو جب کسی نے خوشخبری دی کہ اس کا بیٹا اپنی قوم کا سردار بنے گا تو اس نے جواب دیا۔ اس کی ماں اسے روئے اگر وہ اپنی قوم کا سردار نہ بنا۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا تو اس سے اس سے بات میں زیادہ حقدار ہیں، ہم بودلی اور دیگر جدید مفکرین کو یہی کہہ سکتے ہیں کہ سیدہ آمنہ ان تمام احوال میں ایک عورت ہی کی تمثیل ہیں۔ ہم انہیں ان روایات کو تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ جن کو عرب راویوں نے نقل کیا ہے۔ جن میں بیان کیا گیا ہے کہ اہل عرب کی کئی ایک حاملہ عورتوں نے پیدا ہونے والے بچوں کی عظمت وبزرگی کی بشارت ہاتف غیب سے سنی۔ عمرو بن کلثوم کی والدہ لیلیٰ بنت مہلہل کے بارے میں روایت کیا جاتا ہے کہ جب وہ حاملہ ہوئی تو اسے ہاتف غیبی سے آواز آئی۔

"اے لیلیٰ تجھے وہ عظیم بچہ مبارک ہو جو شیر کی طرح بڑھ کر حملہ کرنے والا ہے۔ جو بنی جشم سے ہے۔ جن کی بہت بڑی تعداد ہے۔ میں ایسی بات کہہ رہا ہوں جس میں جھوٹ کا شائبہ نہیں"

عمرو بن کلثوم ابھی ایک سال کا ہوا تھا کہ وہ ہاتف غیبی ایک رات دوبارہ آیا اور کہا۔

"اے ام عمرو! میں تیرے لئے بڑے عظیم اور کریم الاصل بچے کا ضامن ہوں۔ جو ببر شیر سے بھی زیادہ بہادر ہے اور پندرہ سال کی عمر میں اپنی قوم کا سردار بنے گا۔"

مؤرخین کہتے ہیں کہ عمرو بن کلثوم کی عمر ابھی پندرہ سال نہیں ہوئی تھی کہ وہ اپنی قوم کا سردار بن گیا۔ اسی طرح مؤرخین نے روایت کیا ہے کہ حاتم طائی کی والدہ عتبہ بنت عفیف کے پاس بھی ایک ہاتف غیبی آیا اور اس سے پوچھا کیا تمہیں ایک سخی لڑکا جسے حاتم کے نام سے پکارا جائے گا زیادہ پسند ہے یا عام لوگوں کی طرح دس لڑکے۔ اس نے جواب دیا نہیں مجھے حاتم پسند ہے۔

اسی طرح خُبیبہ بنت رباح الغنویہ کو ایک رات خواب میں ہاتف غیبی نے آواز دی۔ تمہیں دس کمزور لڑکے پسند ہیں یا تین دس کے برابر۔ دوسری رات اسے پھر یہی خواب آیا اس نے اپنے خاندان کو بتایا۔ انہوں نے کہا اگر تیسری بار آئے تو اس سے کہنا تین دس کی مثل۔ اس نے خالد، مالک، اور ربیعہ، تین بیٹوں کو جنم دیا اور ان کی وجہ سے اس کا عرب کی مشہور عورتوں میں شمار ہوتا تھا۔

بودلی نے متقدمین مسلم سیرت نگاروں کی کتب کو اپنی کتاب "الرسول" کا ماخذ اور مصدر قرار دیا ہے۔ بلکہ اس نے عربوں کے اقوال پر بھی اعتماد کیا ہے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ اور آج بھی جزیرہ عرب میں سکونت پذیر ہیں۔ کیونکہ اس کا خیال ہے کہ یہ عرب لوگ حضرت محمد ﷺ کے بارے میں اس طرح گفتگو نہیں کرتے جس طرح ایک غیر معروف اور مجہول شخص کے بارے میں کرتے ہیں۔ آپ ﷺ بکریاں چراتے تھے اور وہی کپڑے زیب تن کرتے جو یہ پہنتے اور انہی کی طرح اونٹ پر سوار ہوتے۔ ان کی گزر اوقات بھی انہی کھجوروں پر تھی جن پر ان کی تھی۔ اس طرح یہ لوگ ہر امر میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔ اس اعتبار سے تو وہ ان

کے قبیلہ کے ایک فرد ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے تیرہ سو سال قبل کے ان حالات کو لکھنا میرے لئے الزبیتھ کے دور میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں گزری ہوئی زندگی کے حالات لکھنے سے زیادہ آسان ہے۔ بلکہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی جنگ آزادی کے بارے میں لکھنے والے مؤرخ کی بھی نسبت میرے لئے آسان ہے۔ کیونکہ حضرت محمد ﷺ کے بعد ان کے صحابہ کرام موجود تھے۔ جو اپنی اولاد کو ان کے حالات و واقعات بیان کرتے تھے۔

''میں خود بڑے عربوں کو جانتا ہوں۔ مجھے ان سے محبت ہے میں ایک عرصہ تک ان کے خیموں میں مقیم رہا مجھے ان کے خیموں سے اُنس ہے۔''

ان خیالات کے باوجود بودلی قبل از ولادت رسول ﷺ سیدہ آمنہ کو پیش آنے والے مبشرات اور واقعات کا کیوں منکر ہے جن پر سیرت نگاروں کا اجماع ہے۔

خوابوں اور مبشرات کے بارے میں اس قسم کا موقف اختیار کرنے میں شاید بودلی اور اس کے پیروکاروں کے پاس کوئی عذر ہو۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ دلائل نبوت میں سے ہیں۔ لیکن ان حقائق کے انکار میں ان کے پاس ایک عذر ہوسکتا ہے۔ حالانکہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا سے پہلے اور آپ کے بعد قیامت تک آنے والی عورتیں اس قسم کے خواب دیکھتی رہی ہیں اور دیکھتی رہیں گی۔ کیا زیادہ سے زیادہ یہی نہیں کہ یہ ایسی حالت ہے جس سے ہر عورت گزرتی ہے اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا بچہ عزت وعظمت کے اُس مقام پر پہنچے جہاں کوئی دوسرا نہ پہنچ سکے۔ ہاں عورت کے ذاتی حالات اور اردگرد کے ماحول کی نوعیت میں اختلاف ہوسکتا ہے۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا بنو زہرہ کے سردار کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی ولادت بیت اللہ کے پڑوس میں ہوئی تھی۔ بیت اللہ کی عظمت ورفعت کے پیش نظر ان کو یہ ایک ممتاز حیثیت حاصل تھی۔ وہ اسی ماحول میں پل کر جوان ہوئیں پھر ان کی شادی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن

عبدالمطلب کے ساتھ ہوئی۔ سو اونٹ جن کے فدیہ میں ذبح کیے گئے اسی طرح ان کے جد اعلیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ کے لئے جنت سے مینڈھا بھیجا گیا۔ اور پھر اس وقت مقام ومرتبہ اور نسب کے اعتبار سے قریش کی افضل ترین عورت تھیں۔ جیسا کہ ابن اسحاق اور دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے۔

پھر انہوں نے یہ واقعات بھی سنے تھے کہ مکہ مکرمہ کی عورتیں ان کے خاوند کے ساتھ شادی کے لئے پیش پیش تھیں اور جب ان کے ساتھ نکاح ہوگیا تو سب نے رُخ پھیر لیا۔ ممکن ہے ان عورتوں کی پیشکش حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے فدیہ کے طور پر سو اونٹ ذبح کرنے کی وجہ سے متاثر ہونے کی بنا پر ہو۔ لیکن پھر بھی سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اس کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور قبول کیا ہوگا۔

کیا ان حالات میں ان کا یہ حق نہیں بنتا کہ وہ اس قسم کے خواب دیکھتیں اور اپنے ہونے والے بچے کے بارے میں بلند ارمان رکھتیں۔ جب نبی کریم ﷺ کا نور آپ کے جسم اطہر میں منتقل ہوا تو آپ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک نور نکلا ہے۔ جس نے اپنے اردگرد کے ماحول کو روشن کردیا ہے۔ یہ صحیح روایت تواتر کے ساتھ مروی ہے۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ جہاں ہم نے چھوڑا تھا پھر وہیں سے شروع کرتے ہیں۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے غم وحزن میں ایام گزارے۔ پھر ہونے والے بچہ کی وجہ سے آپ کو کچھ تسلی ہوئی۔

ایک شام حضرت عبدالمطلب سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے ہیں۔ اور انہیں قریش کے ساتھ مکہ مکرمہ سے نکلنے کی تیاری کا حکم دیتے ہیں۔ کیونکہ یمن کا بادشاہ ابرہہ ہاتھیوں کا بہت بڑا لشکر مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کے لئے لایا تھا۔ آپ نے اہل مکہ کو اردگرد کی گھاٹیوں اور غاروں میں پناہ لینے کا حکم دیا۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے بھی ابرہہ کے اس لشکر کی آمد

کا سن رکھا تھا۔ لیکن ان کے خیال میں نہیں تھا کہ معاملہ اس حد تک بڑھ جائے گا کہ قریش اپنے اس بلدِ امین کو چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبدالمطلب سے پوچھا چچا جان! مجھے خبر ملی تھی کہ قریش، کنانہ، ہذیل اور مکہ میں مقیم دوسرے قبائل اس لشکر کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے متفق ہو گئے تھے۔ لیکن اب کیا وجہ ہے کہ کعبہ کو چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ کیا وہ اس کے دفاع کے لئے دشمن سے مقابلہ نہیں کر رہے؟ آپ نے جواباً فرمایا کہ انہوں نے جان لیا ہے کہ اُن میں ابرہہ کے عظیم لشکر کے ساتھ مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ اس لئے انہوں نے ایسے معرکہ میں شریک ہونے کو ناپسند کیا ہے جس میں دشمن کے سامنے قریش کی طاقت بھی ضائع ہو اور انہیں بعد میں شکست کی شرمندگی بھی اٹھانا پڑے۔ یہ سن کر سیدہ آمنہ تھوڑی دیر خاموش رہیں۔ پھر اچانک انہیں حضرت عبدالمطلب کی احباش کے امیر کے ساتھ ملاقات یاد آ گئی۔ آپ نے ان سے اس کے بارے میں پوچھا انہوں نے فرمایا۔

ہاں میری اس سے ملاقات ہوئی ہے، اس نے ہی کوشش کی تھی۔ ابرہہ جب مکہ کے قریب پہنچا تو اس نے حناطہ حمیری کو بلایا اور اسے کہا کہ مکہ جاؤ اور وہاں اہل مکہ کے سردار کے بارے میں پوچھو اور اس سے ملکر اسے میرا یہ پیغام پہنچاؤ۔

"ہمارے بادشاہ کا فرمان ہے کہ میں تمہارے ساتھ جنگ کرنے نہیں آیا، میں فقط کعبہ کو گرانے کے لئے آیا ہوں۔ اگر تم نے کسی قسم کا تعرض نہ کیا تو مجھے تمہارا خون بہانے کی ضرورت نہیں۔"

اس کے بعد بادشاہ حناطہ کو کہتا ہے کہ اگر اہل مکہ نے میرے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ نہ کیا تو سردار کو میرے پاس لے آنا۔ حناطہ میرے پاس آیا اور اس نے ابرہہ کا پیغام مجھے پہنچایا۔ میں نے اسے جواب دیا۔ اللہ کی قسم! ہم اس کے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے اور نہ ہی ہم میں اس کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے

خلیل کا مقدس گھر ہے۔ اگر وہ اس کی حفاظت کرتا ہے تو یہ اس کا گھر اور حرم ہے۔ اور اگر وہ اسے تباہ کرنے کی ابرہہ کو رخصت دے دیتا ہے تو ہم میں اس کا دفاع کرنے کی طاقت نہیں۔ یہ بات سن کر حناطہ نے کہا میرے ساتھ چلو بادشاہ نے مجھے تمہیں ساتھ لانے کا حکم دیا ہے۔ میں اپنے چند آدمی لے کر ان کے ساتھ چل دیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو ان کے ایک شخص نے بادشاہ کو اطلاع دی اے بادشاہ! قریش کے سردار اجازت کے طالب ہیں۔ یہی مکہ کے تجارتی قافلہ کے نگراں ہیں لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ حتیٰ کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر جنگلی چرند پرند بھی ان کے دسترخوانِ کرم سے محروم نہیں رہتے۔ جب میں داخل ہوا تو ابرہہ ایک تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے عزت و تکریم کی خاطر کھڑے ہو کر میرا استقبال کیا۔ اس نے یہ پسند نہ کیا کہ خود تخت پر بیٹھے اور مجھے نیچے بٹھائے اور یہ بھی نامناسب سمجھا کہ مجھے اپنے ساتھ تخت پر بٹھائے مبادا لشکر کے لوگ اس کا برا منائیں۔ چنانچہ ابرہہ اپنے تخت سے نیچے اترا اور قالین پر بیٹھ گیا اور مجھے اپنے ساتھ قالین پر بٹھایا۔ پھر ترجمان سے کہا کہ ان سے پوچھو کس مقصد کے لئے آئے ہیں۔ میں نے جواب دیا بادشاہ کے سپاہیوں نے میرے دو سو اونٹ پکڑ لئے ہیں۔ وہ مجھے واپس دیئے جائیں۔ یہ بات سن کر بادشاہ کے تاثرات سے یہ محسوس ہوا کہ اس کے نزدیک میرا وہ مقام و مرتبہ نہیں رہا۔ اور میرے متعلق اس کے خیالات کو ٹھیس پہنچی ہے۔ اس نے بڑی درشتی سے اپنے ترجمان سے کہا انہیں کہو جب میں نے آپ کو دیکھا تھا تو میں آپ سے بہت متاثر ہوا تھا۔ لیکن جب آپ نے یہ بات کی ہے تو آپ کی میری نگاہوں میں قدر و منزلت گر گئی ہے۔ آپ اپنے دو سو اونٹوں کے بارے میں تو مجھ سے پوچھتے ہیں لیکن اس گھر کے بارے میں کچھ نہیں چاہتے جسے میں گرانے آیا ہوں۔ حالانکہ وہ آپ کا اور آپ کے آباؤ اجداد کا دین ہے۔ میں نے فوراً جواب دیا میں صرف اونٹوں کا مالک ہوں۔ اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے۔ جو خود اس کی حفاظت فرمائے گا۔ ابرہہ نے بڑے غرور سے کہا

کوئی بھی کعبہ کو میری زد سے نہیں بچا سکے گا۔ میں نے اسے جواب دیا۔ تو جان اور وہ جانے۔
میرے ساتھ بنو ہذیل کا سردار تھا۔ اس نے ابرہہ کو پیش کش کی کہ تہامہ کا ایک تہائی مال لے لو
اور واپس لوٹ جاؤ۔ اللہ کے اس گھر کو نہ گراؤ۔ اس نے بڑے متکبرانہ انداز میں انکار کر دیا۔
اور اپنے سپاہیوں کو میرے اونٹ واپس کرنے کا حکم دیا۔ پھر میں مکہ مکرمہ واپس لوٹ آیا اور
قریش کو تمام صورت حال کی خبر دی اور انہیں مکہ مکرمہ سے باہر نکلنے کا حکم دیا۔ پھر میں وہاں
سے اٹھا اور بیت اللہ میں آیا میرے ساتھ کچھ دوسرے قریشی بھی تھے۔ میں نے بیت اللہ کے
دروازے کا حلقہ پکڑا۔ اور ہم سب اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنے لگے اور اس سے ابرہہ اور اس
کے لشکر پر فتح و نصرت کی درخواست کرنے لگے۔

اس موقع پر میں نے لمحہ بھر کیلئے اپنا سر جھکایا پھر آسمان کی طرف سر اٹھا کر اور باب
کعبہ کا حلقہ پکڑے ہوئے بڑی عاجزی و انکساری سے عرض کی۔

"اے اللہ! بندہ بھی اپنے کجاوہ کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما"
"ایسا نہ ہو کہ ان کی صلیب کل تیرے گھر پر غالب آ جائے اور نصب کر دی جائے۔
اگر تو ان کو اور ہمارے قبلہ کو آزاد چھوڑنے والا ہے تو جیسے تیری مرضی ہو ایسے ہی کر۔"(۱)

"اے میرے پروردگار! مجھے ان کے مقابلہ کے لئے تیرے سوا کسی اور سے امید
نہیں۔ اے میرے رب! ان سے اپنے گھر کو محفوظ رکھ۔
یقیناً تیرے گھر سے دشمنی کرنے والا تیرا دشمن ہے۔
اپنے گھر کو تباہ و برباد کرنے سے انہیں روک دے۔"
یہ سن کر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا بھی یہی اشعار گنگنانے لگیں۔

اس کے بعد آپ نے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو الوداع کہا اور گھر سے باہر جانے سے
پہلے فرمانے لگے۔ میں صبح کسی کو بھیج دونگا۔ اس کے ساتھ تم بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ مل

۱ سیرت ابن ہشام: ۵۳/۱

جانا۔

اس کے بعد سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے عظیم بچہ کے بارے میں سوچنے لگیں۔ جس کی
پیدائش کا وقت قریب تھا۔ ان کے لئے یہ تصور انتہائی تکلیف دہ تھا کہ وہ اپنے بچہ کو مکہ شریف
اور اپنے شوہر نامدار حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے گھر سے دور کہیں اور جگہ جنم دیں۔ یہ تصور سیدہ
آمنہ رضی اللہ عنہا کسی کی پریشانی اور رت جگے کا باعث ہو سکتا تھا۔ لیکن آپ رضی اللہ عنہا اپنے بستر پر لیٹ
گئیں۔ آپ کو پختہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے گھر کی حفاظت فرمائے گا۔ اس لئے آپ
مطمئن ہو کر سو گئیں۔ طلوع فجر کے بعد آپ رضی اللہ عنہا بیدار ہوئیں آپ رضی اللہ عنہا کی یہی خواہش تھی
کہ آپ رضی اللہ عنہا بیت اللہ کے جوار ہی میں ٹھہری رہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دے۔
چاشت کا وقت ہو گیا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی قوم کا کوئی مرد آپ کو لینے نہ آیا۔ شام کا وقت قریب
تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا اس فکر میں تھیں کہ حضرت عبدالمطلب نے کسی آدمی کو کیوں نہیں بھیجا۔ یہ کیسا
حیرت انگیز سکوت مکہ مکرمہ کی فضا پر چھایا ہوا ہے۔ ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے ہر ذی روح نے
اپنی سانسوں کو روک لیا ہے۔ پھر انتہائی جنوب کی سمت آپ کو ایک مبہم سا شور سنائی دیا۔ انہیں
یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ خوشی کے نعرے ہیں، دعا ہے، یا رونے کی چیخ و پکار ہے؟
بہر حال کوئی معاملہ ضرور ہے۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اسی انتظار میں تھیں۔ حتیٰ کہ جب سورج غروب ہونے کے بالکل
قریب تھا تو ان کی قوم کے کچھ لوگ بھاگتے ہوئے آئے۔ اس لئے نہیں کہ وہ آپ کو کسی پہاڑ
کی گھاٹی میں لے جائیں بلکہ وہ آپ کو نجات کی خوشخبری سنانے کے لئے آئے تھے۔ پھر مکہ
مکرمہ میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔

ان لوگوں نے آ کر بتایا کہ ابرہہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے بالکل تیار تھا۔
اس نے اپنی فوج کو بیت اللہ پر حملہ کرنے کے لئے صف آراء کیا۔ جب وہ ہاتھی کا منہ بیت

اللہ کی طرف کرتے تو وہ بیٹھ جاتا۔ انہوں نے لوہے کے گرز سے اس کے سر پر ضربیں لگائیں۔ پھر اس کے پیٹ کے نیچے ایسے عصا سے چرکے لگائے جس کا سنان ٹیڑھا کیا ہوا تھا۔ وہ لہولہان ہوگیا لیکن اٹھنے کا نام نہ لیا۔ پھر اس کا رخ یمن کی طرح کیا تو بھاگنے لگا۔ پھر شام کی طرف موڑا تو پھر بھی بھاگنے لگا۔ مشرق کی طرف اس کا رخ کیا تو پھر بھاگنے لگا۔ جب مکہ مکرمہ کی طرف منہ کیا گیا تو وہ بیٹھ گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ابابیل بھیج کر ان پر عذاب مسلط کردیا۔ جنہوں نے ان کو بھوسہ بنا کر رکھ دیا۔ ان میں ایک مہلک وبا پھیل گئی۔ جس کے جراثیم کو ابابیل نے پھیلایا تھا۔

خوف وہراس کی وجہ سے ان پر جنون کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اور وہ جس راستہ سے آئے تھے اسی طرف بھاگ نکلے۔ وہ نفیل بن حبیب خثعمی کی تلاش میں تھے۔ ابرہہ کا لشکر جب بنوخثعم کے علاقہ سے گزرا تھا تو یہ نفیل بن حبیب اپنی قوم کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے نکلا تھا۔ جب ابرہہ نے اسے قید کرلیا تو ان سے اپنی جان چھڑانے کے لئے کہا: ”مجھے اپنے ساتھ لے چلو میں سرزمین عرب پر تمہارے لشکر کی رہنمائی کرونگا“ جونہی نفیل نے ان کی چیخ وپکار سنی کہ وہ انہیں یمن کا راستہ بتائے تو اس نے بلند آواز میں کہا:

”اب بھاگنے کا رستہ کہاں جب کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تعاقب میں ہے۔ اور ہونٹ کٹا ابرہہ مغلوب ہے اب اسے غلبہ نصیب نہیں ہوسکتا۔ لشکر کا ہر شخص پوچھ رہا تھا نفیل کہاں ہے؟ گویا میں ان حبشیوں کا مقروض ہوں اس لئے مجھ پر لازم تھا کہ اس آڑے وقت میں ان کی مدد کرتا“ اس طرح وہ گرتے پڑتے مکہ مکرمہ سے نکلے جہاں کہیں انہیں پانی نظر آتا وہ اس پر ٹوٹ پڑتے۔ ابرہہ بھی ان کے ساتھ تھا اس کے جسم کی عجیب حالت تھی۔ اس کی انگلیوں کے پورے ایک ایک کر کے گرنے لگے۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق سرزمین عرب میں اس واقعہ سے پہلے چیچک کی بیماری نہیں پائی جاتی تھی۔

قریش بیت اللہ شریف میں جمع ہوگئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور شکر وامتنان بجالاتے ہوئے طواف کرنے لگے۔ دعا کرنے والوں کی دعاؤں اور شعرا کے قصائد سے مکہ مکرمہ کی فضا گونج اٹھی۔

”وہ مکہ مکرمہ کی وادی کو چھوڑ کر بھاگ گئے مکہ مکرمہ زمانہ قدیم سے ہی مامون ومحفوظ ہے۔ لشکر کے سپہ سالار سے پوچھو تم نے کیا دیکھا۔ عنقریب اس واقعہ کو جاننے والے ناواقفوں کو اطلاع دیں گے۔“

ساٹھ ہزار کا لشکر اپنی زمین کو نہیں لوٹا بلکہ ان میں سے بیمار بھی لوٹنے کے بعد بچ نہ سکے۔ یہ صدا اور گونج سیدہ آمنہ کے کان میں پہنچ گئی۔ وہ سجدہ شکر میں پڑ گئیں۔ ان کا روئے اقدس نور ایمان وایقان سے چمکنے لگا۔ انہوں نے ایک عجیب سی مسرت بھی محسوس کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا ہے اور ان کے بیٹے کے مقدر میں نہیں لکھا تھا کہ اس کی پیدائش بلد حرام سے باہر ہو۔

ولادت

"حضور ﷺ سراپا ہدایت کی پیدائش ہوئی اور تمام کائنات روشن ہوگئی۔ زمانہ کے لبوں پر مسکراہٹ رقص کرنے لگی اور زبان حمد وثنا کے ترانے کہنے لگی۔ جبرائیل اور ملائکہ کی جماعت آپ ﷺ کے اردگرد حلقہ بنائے ہوئے ہے۔ اور دین ودنیا کو آپ ﷺ کی آمد کی مبارک دے رہے ہیں۔ اس خوشی میں عرش جھوم رہا ہے، بہشت فخر کر رہا ہے۔ حتیٰ کہ سدرۃ المنتہیٰ بھی خوشی سے پھولے نہیں سما رہا ہے) (شوقی)

پھر اس واقعہ کی تھوڑی مدت بعد رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کی خبر پھیل گئی بعض مؤرخین نے یہ مدت بیس دن ذکر کی ہے۔ یہی زیادہ مشہور ہے جیسا کہ سہیلی نے "روضۃ الانف" میں بیان کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی پیدائش مبارک اسی دن ہوئی جس دِن فیل والا واقعہ پیش آیا۔ دوسرے مؤرخین نے اسی پر اکتفا کیا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت عام الفیل میں ہوئی۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے ربیع الاول کی ایک رات دوبارہ وہی خواب دیکھا جس میں ہاتف غیبی نے آواز دی "آمنہ رضی اللہ عنہا تم عنقریب اس امت کے سردار کو جنم دینے والی ہو۔ جب اس کی پیدائش مبارک ہو تو یہ الفاظ کہنا۔"

"میں اللہ واحد سے اس کے لئے ہر حاسد سے پناہ مانگتی ہوں۔ اور اس کا نام "محمد ﷺ رکھنا"

پیر کی صبح سحری کے وقت رسول اللہ ﷺ کی آمد کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کے پاس آپ رضی اللہ عنہا کی کنیز کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ عثمان بن ابی العاص ثقفی کی والدہ بھی آپ رضی اللہ عنہا کے پاس تھیں۔ (۱)

پہلے آپ پر کچھ خوف ساطاری ہوا لیکن جلد ہی آپ رضی اللہ عنہا نے ایسا نور محسوس کیا جس نے اردگرد کے ماحول اور فضا کو ڈھانپ لیا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہا کو یوں محسوس ہوا کہ عورتوں کے ایک گروہ نے انہیں اپنے گھیرے میں لے لیا ہے۔ اور اپنی الفت ومحبت کا اظہار کرنے لگیں۔ پہلے تو انہوں نے خیال کیا کہ یہ بنو ہاشم کی عورتیں ہیں۔ اور بڑی متعجب ہوئیں کہ انہیں کیسے اس امر کی خبر ہوگئی حالانکہ میں نے اس کے بارے میں کسی کو بتایا ہی نہیں۔ لیکن جلد ہی انہیں احساس ہوگیا کہ وہ جنہیں بنو ہاشم کی عورتیں خیال کر رہی ہیں وہ تو حضرت مریم بنت عمران، حضرت آسیہ زوجہ فرعون اور حضرت ہاجرہ والدہ اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اس سے ان کے خوف کی کیفیت دور ہوگئی اور آپ رضی اللہ عنہا نے فیصلہ کن گھڑی کے لئے بڑی ہمت کا مظاہرہ کیا۔ ابھی فجر کی روشنی نہیں پھیلی تھی کہ آپ نے اپنے عظیم بچہ کو جنم دیا۔ جیسا کہ ہر عورت جنم دیتی ہے۔ اُم عثمان بن ابی العاص فرماتی ہیں کہ میں جس چیز کی طرف بھی نگاہ اٹھاتی تو مجھے نور نظر آتا۔ میں نے دیکھا کہ ستارے بالکل میرے قریب آگئے ہیں۔ حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ یہ مجھ پر گر پڑیں گے۔

انوار وتجلیات کی یہ بارش ختم ہوگئی۔ اب سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اس دنیا میں تنہا نہ تھیں۔ بلکہ ان کا عظیم فرزند ﷺ بھی ان کے ساتھ تھا۔ جس نے اپنے اردگرد کے ماحول کو انس وجمال کے نور سے منور کر دیا تھا۔

آپ ان کی روشن پیشانی اور لطیف نورانی بدن کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہی تھیں۔ انہیں اپنے محبوب شوہر کی یاد آگئی جو انہیں یہ خوبصورت امانت دے کر خود کوچ کر

---

۱ یہ صحابیہ ہیں اور ان کا اسم گرامی فاطمہؓ بنت عبداللہ تھا۔ عیون الاثر: ۱/ ۲۷

گئے۔ جب صبح ذرا روشن ہوئی تو سب سے پہلے آپ نے حضرت عبدالمطلب کو پوتے کی ولادت کی خوشخبری دینے کے لئے کسی کو بھیجا۔ حضرت عبدالمطلب خوشخبری سنتے ہی جلدی سے آئے، بچے کو گود میں اٹھا کر پیار کرنے لگے۔ نیز سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے ولادت کے وقت جو انوار وتجلیات دیکھی تھیں اور جو آوازیں سنی تھیں ان کی تفصیل بیان کی۔ وہ ان واقعات کو توجہ سے سنتے رہے۔ پھر پوتے کو بیت اللہ شریف لے آئے اور اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے اور اس کا شکر ادا کیا کہ اس نے مرحوم بیٹے کی نشانی کے طور پر یہ بچہ عطا فرمایا ہے۔ خوشی ومسرت کے اس موقع پر آپ کے بیٹے بھی آپ کو گھیرے ہوئے تھے۔ آپ طواف کعبہ کررہے تھے اور آپ کی زبان پر فی البدیہہ یہ اشعار جاری ہوگئے۔

''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے پاک آستینوں والا یہ بچہ عطا فرمایا۔ یہ اپنے پنگھوڑے میں سارے بچوں کا سردار ہے۔ میں اسے بیت اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں یہاں تک کہ میں اسے طاقتور اور توانا دیکھوں۔ میں اسے ہر دشمن اور ہر حاسد اور آنکھوں کو گھمانے والے شر سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔''

پھر آپ اپنے پوتے کو اس کی والدہ کے پاس واپس لے آئے۔ اور واپس تشریف لا کر کچھ جانور ذبح کیے۔ اہل حرم اور صحراء کے چرند وپرند تمام کے لئے اپنا دسترخوان کھول دیا۔

جب مکہ مکرمہ میں نبی پاک کی ولادت کی خوشخبری پھیلی اس وقت اہل مکہ اصحاب فیل کی تباہی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح ونصرت کی خوشی کا جشن منا رہے تھے۔ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کو ایک نشانی تصور کیا جس سے انہیں ایک اور واقعہ کی یاد تازہ ہوگئی۔ یعنی ایک دن ان کے والد گرامی کو قربانی کے لئے منتخب کیا گیا پھر ان کے بدلہ میں سو اونٹوں کو ذبح کیا گیا۔

ہاشمی گھرانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی کا یہ عالم تھا کہ آپ کے چچا ابولہب کی لونڈی ثویبہ اسلمیہ نے جب اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشخبری دی تو اس نے خوشی میں انہیں آزاد کردیا۔ اگر آنے والے کل رونما ہونے والے واقعات وحالات کا پردہ اس پر سے ہٹا دیتا جاتا تو چالیس سال بعد اس ہاشمی یتیم کے رسول بنتے وقت قریش کی اس کے ساتھ خونریز جنگ میں وہ اپنا کردار دیکھ کر ضرور خوفزدہ ہوتا۔

ابولہب اور اس کی بیوی کے بارے میں "تبت یدا ابی لھب وتب" الخ نازل ہوئی۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی ابولہب کو اس کے مرنے کے ایک سال بعد خواب میں دیکھا اور اس کے حال کے بارے میں پوچھا۔ اس نے جواب دیا میں نار جہنم میں ہوں۔ لیکن ہر پیر کی رات میرے عذاب میں کچھ تخفیف کردی جاتی ہے۔ اپنی ان دونوں انگلیوں سے پانی چوستا ہوں۔ اور یہ وہی انگلیاں ہیں جن سے میں نے ثویبہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشخبری سناتے وقت آزاد کیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے بعد زیادہ طویل وقت نہیں گزرے گا کہ تاریخ زمانہ کے سامنے اس یادگار رات کی یاد کو دہرائے گی۔ اور عرب اور تمام انسانیت کے ایک نئے دور کا آغاز کرے گی۔ جس سہانی گھڑی میں سیدہ آمنہ نے اپنے مولود مسعود کو جنم دیا۔ اس کے بارے میں مرویات کا جزیرہ عرب میں بڑا چرچا ہوگا۔ اور یہ روایات نسل درنسل نقل ہوتے ہوتے ہم تک پہنچ جائیں گی اور پھر زمانہ کے شب وروز کے ساتھ ساتھ محبین و عشاق اور شعراء کے ذوق وشوق اور عشق ومحبت سے مشہور نئے سے نئے کلام اور قصائد بھی شامل ہوتے جائیں گے۔

جب بھی قمری سال اپنی ایک گردش مکمل کرتا ہے۔ اور ربیع الاول کے مبارک ماہ کا چاند طلوع ہوتا ہے تو اس برکت والی رات میں دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے اربوں

تو آپ نے جواباً فرمایا۔ میں نے اس کا یہ نام اس لئے تجویز کیا ہے تاکہ زمین وآسمان میں اس کی تعریف کی جائے۔ امام سہیلی نے حضرت عبدالمطلب کا ایک خواب بھی نقل کیا ہے جسے قیروانی نے اپنی کتاب ''البستان'' میں نقل کیا ہے۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی پشت سے چاندی کی ایک زنجیر نکلتی ہے۔ اس کا ایک سرا آسمان سے دوسرا زمین سے متصل ہے۔ پھر یہ زنجیر ایک درخت کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ جس کے ہر پتے پر ایک نور ہے۔ اہل مشرق ومغرب اس کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ آپ نے یہ خواب ایک معبرّ کو سنایا۔ اس نے یہ تعبیر بیان کی کہ۔

''آپ کی نسل سے ایک بچہ پیدا ہوگا۔ مشرق ومغرب والے اس کی اتباع کریں گے اور ارض وسماء والے اس کی تعریف کریں گے۔'' (۱)

اس خواب کو ابن سید الناس نے اپنی کتاب ''عیوان الاثر'' میں، صاحب الاکتفاء ابوالربیع سالم کلاعی کی سند سے نقل کیا ہے۔

بودلی حضرت عبدالمطلب کے اس خواب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔ خواہ اس کا سبب کچھ بھی ہو بہرحال بچے کا نام ''محمد ﷺ'' رکھ دیا گیا۔ پھر اس دین جدید (اسلام) کی اشاعت کے بعد پیدا ہونے والے ہزاروں بچوں کے نام اس نام سے منسوب ہوئے۔

۱؎ الروض الانف: ۸۲/۱

رضاعت

''بنی سعد کی عورتیں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے نونہال کے پاس بھی گئیں۔ لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ یتیم ہے تو واپس لوٹ آئیں یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس کا باپ تو ہے نہیں جو ہمیں ہماری خدمات پر انعام وکرام سے نوازے گا۔ بیوہ ماں اور بوڑھا دادا ہماری کیا خدمت کرے گا۔ میرے سوا ہر عورت کو بچہ مل گیا۔ جب ہم نے واپس جانے کا ارادہ کیا تو میں نے اپنے خاوند سے کہا۔ میں خالی گود واپس نہیں جاؤنگی۔ بخدا میں جاتی ہوں او راس یتیم بچے کو لے آتی ہوں۔ خاوند نے کہا ہاں کوئی حرج نہیں تم لے آؤ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس بچہ سے برکت عطا فرمائے۔''

(حلیمہ سعیدہ)

حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ولادت کے بعد سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے محسوس کیا کہ ان کی اہم ذمہ داری پوری ہوگئی ہے۔ جس طرح حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی اس وقت ذمہ داری ختم ہوگئی تھی۔ جب آپ نے اس امانت کو میرے سپرد کیا۔ ان کا غم پھر تازہ ہوگیا جس سے ایک حدتک آپ رضی اللہ عنہا کی صحت متاثر ہوئی۔ لیکن اتنی خراب بھی نہ تھی کہ جس سے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق ہوتا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی ذمہ داری کا ایک حصہ ابھی باقی تھا۔ ابھی آپ رضی اللہ عنہا نے اس بچے کی پرورش وتربیت کرنا تھی۔ یہاں تک کہ وہ آپ رضی اللہ عنہا کے ساتھ چلنے

پھرنے کے قابل ہوجائے۔ پھراس کو اس کے والد محترم کے بارے میں بتائیں، اپنے مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے اپنے ساتھ لے جائیں۔

آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس معصوم بچے کو دودھ پلانا شروع کردیا۔ آپ رضی اللہ عنہا صحرا سے آئی ہوئی دودھ پلانے والی عورتوں کے انتظار میں تھیں۔ وہ بچوں کو شہر کی آلودہ فضا سے دور صحرا میں لے جاتی تھیں۔ چند دن بعد ہی آپ کا دودھ خشک ہوگیا۔

بودلی نے اس کا سبب آپ کا وہ غم وحزن قرار دیا ہے۔ جس سے شوہر کے وصال کے بعد آپ کو دوچار ہونا پڑا۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو دودھ پلانے کے لئے آپ ﷺ کے چچا عبدالعزیٰ کی لونڈی ثویبہ کے سپرد کردیا۔ اس نے آپ ﷺ سے پہلے آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو بھی اپنے بیٹے مسروح کے ساتھ دودھ پلایا تھا۔(۱)

چند ہی دنوں بعد قبیلہ بنی سعد کی عورتیں قریش کے مالدار طبقے کے بچوں کو دودھ پلانے اور ان کی خدمت کرنے کے لئے مکہ مکرمہ پہنچ گئیں۔ بنو سعد کی یہ عورتیں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے نونہال کے پاس بھی آئیں۔ لیکن آپ ﷺ کی یتیمی کی وجہ سے آپکو چھوڑ گئیں۔ کیونکہ آپ ﷺ وسیع وعریض دولت کے مالک نہیں تھے جو آپ ﷺ کے عالی النسب ہونے کے شایان شان تھا۔ آپ ﷺ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی زندگی ہی میں وصال فرما گئے تھے۔ اس وجہ سے آپ ﷺ کو وراثت سے حصہ نہ ملا۔ ویسے بھی ابتدائے شباب میں ہی آپ رضی اللہ عنہ کا وصال ہوگیا۔ اس لئے آپ رضی اللہ عنہ نے ترکہ میں کوئی زیادہ مال نہ چھوڑا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ دنیا سے رخصت ہوئے تو اپنے ہونے والے بیٹے کے لئے اپنی صرف ایک حبشی کنیز اُم ایمن، پانچ اونٹ اور چند بکریاں چھوڑیں۔

''ڈاکٹر محمد حسین ہیکل کہتے ہیں سردار مکہ مکرمہ کے پوتے اور قریشی ہاشمی گھرانے

۱ الاستیعاب: ۱/۳۷۰

کے سپوت کے لئے یہ ترکہ انتہائی معمولی حیثیت رکھتا ہے۔''

یہ دیکھ کر سیدہ رضی اللہ عنہا آمنہ کو بڑی تکلیف ہوئی کہ دودھ پلانے والی عورتیں صحرا کی طرف واپس جانے کے لئے تیار ہیں۔ اور انہوں نے میرے عالی نسب یتیم بچے کو چھوڑ دیا ہے۔ اور اس پر قریش کے ان بچوں کو ترجیح دی ہے جن سے انہیں وافر مال ملنے کی امید ہے۔ لیکن ایک عورت جو صبح آپ ﷺ کو چھوڑ گئی تھیں وہ آپ ﷺ کو لینے دوبارہ آگئی۔ یہ خوش نصیب عورت حلیمہ بنت ذوئیب سعدیہ تھیں۔ ان کے شوہر کا نام حارث بن عبدالعزیٰ تھا اور یہ بنو سعد بن بکر کے قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی۔ ان کی کچھ اور اولاد بھی تھی جن کو حضرت محمد ﷺ کے رضاعی بہن اور بھائی بننے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ عبداللہ، انیسہ اور شیما تھے جو اپنی والدہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو اپنی گود میں کھلایا کرتی تھیں۔(۱)

حضرت حلیمہ سعدیہ اس واقعہ کو روایت کرتی ہیں۔ اور یہ روایت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ فرماتے ہیں حلیمہ بنت ذوئیب سعدیہ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی والدہ بیان کرتی ہیں۔

''وہ بنو سعد کی عورتوں کے ایک قافلہ کے ساتھ اپنے خاوند اور دودھ پیتے بچے کے ہمراہ اپنے شہر سے نکلیں۔ یہ سال قحط اور خشک سالی کا سال تھا۔ ہمارے پاس کچھ باقی نہ رہا تھا جس پر گزر اوقات کرسکتے۔ میں ایک کمزور گدھی پر سوار تھی اور ہمارے ساتھ ایک بوڑھی اونٹنی بھی تھی جس کی کھیری میں دودھ کا ایک قطرہ تک نہ تھا۔ میرا بچہ بھوک کی وجہ سے ساری ساری رات روتا رہتا اور ہمیں ایک پل کے لئے سونا نصیب نہ ہوتا۔ نہ میری چھاتی میں اتنا دودھ تھا جس سے وہ سیر ہوسکے اور نہ ہماری اونٹنی کی کھیری میں دودھ تھا جو ہم اس کو پلا سکتے۔ ہم اس امید پر جی رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ ضرور احسان فرمائے گا۔ بارش برسے گی اور خوشحالی کا زمانہ پھر لوٹ آئے گا۔ میں اس گدھی پر سوار ہوکر اس قافلہ کے ساتھ روانہ ہوئی۔ مارے بھوک

۱ سیرت ابن ہشام: ۱/۷۰

پھرنے کے قابل ہوجائے۔ پھر اس کو اس کے والد محترم کے بارے میں بتائیں، اپنے مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے اپنے ساتھ لے جائیں۔

آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس معصوم بچے کو دودھ پلانا شروع کردیا۔ آپ رضی اللہ عنہا صحرا سے آئی ہوئی دودھ پلانے والی عورتوں کے انتظار میں تھیں۔ وہ بچوں کو شہر کی آلودہ فضا سے دور صحرا میں لے جاتی تھیں۔ چند دن بعد ہی آپ کا دودھ خشک ہوگیا۔

بودلی نے اس کا سبب آپ کا وہ غم وحزن قرار دیا ہے۔ جس سے شوہر کے وصال کے بعد آپ کو دوچار ہونا پڑا۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو دودھ پلانے کے لئے آپ ﷺ کے چچا عبدالعزیٰ کی لونڈی ثویبہ کے سپرد کردیا۔ اس نے آپ ﷺ سے پہلے آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو بھی اپنے بیٹے مسروح کے ساتھ دودھ پلایا تھا۔ (۱)

چند ہی دنوں بعد قبیلہ بنی سعد کی عورتیں قریش کے مالدار طبقے کے بچوں کو دودھ پلانے اور ان کی خدمت کرنے کے لئے مکہ مکرمہ پہنچ گئیں۔ بنو سعد کی یہ عورتیں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے نونہال کے پاس بھی آئیں۔ لیکن آپ ﷺ کی یتیمی کی وجہ سے آپکو چھوڑ گئیں۔ کیونکہ آپ ﷺ وسیع وعریض دولت کے مالک نہیں تھے جو آپ ﷺ کے عالی النسب ہونے کے شایان شان تھا۔ آپ ﷺ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی زندگی ہی میں وصال فرما گئے تھے۔ اس وجہ سے آپ ﷺ کو وراثت سے حصہ نہ ملا۔ ویسے بھی ابتدائے شباب میں ہی آپ رضی اللہ عنہ کا وصال ہوگیا۔ اس لئے آپ رضی اللہ عنہ نے ترکہ میں کوئی زیادہ مال نہ چھوڑا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ دنیا سے رخصت ہوئے تو اپنے ہونے والے بیٹے کے لئے اپنی صرف ایک حبشی کنیز اُم ایمن، پانچ اونٹ اور چند بکریاں چھوڑیں۔

''ڈاکٹر محمد حسین ہیکل کہتے ہیں سردار مکہ مکرمہ کے پوتے اور قریشی ہاشمی گھرانے

۱؎ الاستیعاب: ۱/۳۷۰

کے سپوت کے لئے یہ ترکہ انتہائی معمولی حیثیت رکھتا ہے۔''

یہ دیکھ کر سیدہ رضی اللہ عنہا آمنہ کو بڑی تکلیف ہوئی کہ دودھ پلانے والی عورتیں صحرا کی طرف واپس جانے کے لئے تیار ہیں۔ اور انہوں نے میرے عالی نسب یتیم بچے کو چھوڑ دیا ہے۔ اور اس پر قریش کے ان بچوں کو ترجیح دی ہے جن سے انہیں وافر مال ملنے کی امید ہے۔ لیکن ایک عورت جو صبح آپ ﷺ کو چھوڑ گئی تھیں وہ آپ ﷺ کو لینے دوبارہ آ گئی۔ یہ خوش نصیب عورت حلیمہ بنت ذوئیب سعدیہ تھیں۔ ان کے شوہر کا نام حارث بن عبدالعزیٰ تھا اور یہ بنو سعد بن بکر کے قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی۔ ان کی کچھ اور اولاد بھی تھی جن کو حضرت محمد ﷺ کے رضاعی بہن اور بھائی بننے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ عبداللہ، انیسہ اور شیما تھے جو اپنی والدہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو اپنی گود میں کھلایا کرتی تھیں۔ (۱)

حضرت حلیمہ سعدیہ اس واقعہ کو روایت کرتی ہیں۔ اور یہ روایت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ فرماتے ہیں حلیمہ بنت ذوئیب سعدیہ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی والدہ بیان کرتی ہیں۔

''وہ بنو سعد کی عورتوں کے ایک قافلہ کے ساتھ اپنے خاوند اور دودھ پیتے بچے کے ہمراہ اپنے شہر سے نکلیں۔ یہ سال قحط اور خشک سالی کا سال تھا۔ ہمارے پاس کچھ باقی نہ رہا تھا جس پر گزر اوقات کر سکتے۔ میں ایک کمزور گدھی پر سوار تھی اور ہمارے ساتھ ایک بوڑھی اونٹنی بھی تھی جس کی کھیری میں دودھ کا ایک قطرہ تک نہ تھا۔ میرا بچہ بھوک کی وجہ سے ساری ساری رات روتا رہتا اور ہمیں ایک پل کے لئے سونا نصیب نہ ہوتا۔ نہ میری چھاتی میں اتنا دودھ تھا جس سے وہ سیر ہو سکے اور نہ ہماری اونٹنی کی کھیری میں دودھ تھا جو ہم اس کو پلا سکتے۔ ہم اس امید پر جی رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ ضرور احسان فرمائے گا۔ بارش برسے گی اور خوشحالی کا زمانہ پھر لوٹ آئے گا۔ میں اس گدھی پر سوار ہو کر اس قافلہ کے ساتھ روانہ ہوئی۔ مارے بھوک

۱؎ سیرت ابن ہشام: ۱/۷۰

کے وہ قدم بھی نہ اٹھا سکتی تھی۔۔۔ بڑی مشکل سے ہم مکہ مکرمہ پہنچے اور سب نے بچے تلاش کرنے کے لئے گھر گھر چکر لگائے۔ بنو سعد کی عورتیں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے گھر بھی گئیں۔ لیکن جب انہیں پتہ چلتا کہ یہ یتیم ہے تو واپس لوٹ آتیں۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس کا باپ تو ہے نہیں جو ہماری خدمت کے صلہ میں ہمیں مال ودولت سے نوازے گا۔ بیوہ ماں اور بوڑھا دادا ہماری کیا خدمت کریں گے۔ میرے علاوہ ہر عورت کو بچہ مل گیا۔ جب ہم نے واپس جانے کا ارادہ کیا تو میں نے اپنے خاوند سے کہا، میں خالی واپس نہیں جاؤنگی بخدا میں جاتی ہوں اور اس یتیم بچے کو لے آتی ہوں۔ خاوند نے کہا ہاں کوئی حرج نہیں تم لے آؤ۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس بچہ سے برکت عطا فرمادے۔ میں گئی اور اس بچے کو لے کر واپس اپنے خیمے میں پہنچی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے کے لئے دائیں چھاتی پیش کی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے جتنا چاہا دودھ پیا اور پی کر سیر ہوگئے۔ پھر دوسری چھاتی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی نے دودھ پیا حتیٰ کہ وہ بھی سیر ہوگیا۔ پھر دونوں بچے سکون سے سوگئے۔ اس سے پہلے میرا بچہ بھوک کی وجہ سے نہیں سوتا تھا۔ اس کے بعد میرا خاوند اس بوڑھی اور لاغر اونٹنی کی طرف گیا۔ یہ دیکھ کر اس کی حیرت اور خوشی کی حد نہ رہی کہ اس کی اونٹنی کی کھیری دودھ سے بھری ہوئی ہے۔ اس نے اسے دوہا اور جی بھر کر پیا اور میں نے بھی خوب سیر ہوکر پیا۔ وہ رات ہم نے راحت اور آرام کے ساتھ بسر کی۔ جب ہم صبح بیدار ہوئے تو میرے خاوند نے کہا حلیمہ! بخدا مجھے سراپا امن وبرکت وجود نصیب ہوا ہے۔ میں نے کہا میں بھی یہی امید رکھتی ہوں۔ پھر ہم قافلہ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے نکلے۔ میں اپنی اسی گدھی پر سوار تھی۔ میرے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔ اب تو اس کی حالت ہی بدل گئی تھی۔ اس نے اس قدر تیزی سے قدم اٹھائے کہ قافلہ کی ساری سواریاں پیچھے رہ گئیں۔ حتیٰ کہ قافلہ والے کہنے لگے اے بنت ذوئیب! خدا تیرا بھلا کرے، ہم پر رحم کر، کیا یہ تیری وہی گدھی نہیں جس پر سوار ہوکر تو مکہ مکرمہ آئی تھی۔ میں

نے کہا ہاں، بخدا، آج تو اس کی بڑی شان ہے۔ آخر ہم اپنے گھروں کو پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ کی زمین میں یہ علاقہ سب سے زیادہ قحط زدہ تھا۔ گھاس کا ایک تنکا بھی نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن میری بکریاں شام کو جب واپس آتیں تو ان کے پیٹ بھرے ہوتے اور ان کی کھیریاں دودھ سے لبریز ہوتیں۔ ہم دودھ دوہتے اور خوب سیر ہوکر پیتے۔ دوسرے لوگوں کے ریوڑ بھوکے واپس آتے۔ ان کی کھیریوں میں سے دودھ کا ایک قطرہ بھی نہ ٹپکتا۔ وہ لوگ اپنے چرواہوں کو ڈانٹتے اور کہتے کہ تم ہماری بھیڑ بکریاں وہاں کیوں نہیں چراتے جہاں بنت ذوئیب کی بکریاں چرتی ہیں۔ پھر بھی ان کی بکریاں بھوکی واپس آجاتیں اور ان کی کھیریاں دودھ سے خالی ہوتیں اور ہماری بکریاں خوب سیر ہوکر آتیں اور انکی کھیریاں دودھ سے لبریز ہوتیں۔ روز بروز ان انعامات میں اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ دو سال کا عرصہ مکمل ہوگیا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ چھڑا دیا۔(1)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنو سعد کے صحرا میں پروان چڑھے۔ یہ قبیلہ فصاحت وبلاغت میں دوسرے قبائل عرب کی نسبت زیادہ مشہور تھا۔ یہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بولنا اور چلنا سیکھا۔ پہلا کلمہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جاری ہوا۔ وہ اسی ماحول میں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے ایام ان لوگوں کے ساتھ گزارے جو کچھ مدت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے برسرپیکار ہونگے۔ آخر کار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کرلیں گے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو زمین کے ان گوشوں تک پہنچادیں گے جن کو وہ پہلے جانتے تھے نہ ان کے بارے میں سن رکھا تھا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ سے دور بنو سعد کے صحرا میں اپنی رضاعی والدہ کے ساتھ تھے تو سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے دن کیسے گزارے اس کے بارے میں سیرت کی کتب خاموش ہیں، شاید مؤرخین نے بھی اُسی چیز کو محسوس کرلیا جس کو سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے محسوس کیا تھا۔ کہ ان کی ذمہ داری ختم ہونے کے قریب ہے۔

---

1. سیرت ابن ہشام: 1/171

مگر ہمیں کسی ایسے شخص کی ضرورت نہیں جو ہمیں خبر دے کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے گھر ہی اپنے بیٹے کا انتظار کرتی رہیں تاکہ وہ واپس آ کر اس گھر کو بارونق بنا دے۔ جوان کے جانے کے بعد سونا ہو گیا تھا۔ بیٹے کے جانے کے بعد تنہائی نے سینے میں چھپے ہوئے غموں کو پھر سے تازہ کر دیا۔ جنہوں نے آپ رضی اللہ عنہا کو اتنا پریشان کر دیا کہ اتنی پریشانی کا سامنا آپ کو حمل کے دوران بھی نہ کرنا پڑا تھا۔ لیکن دودھ چھڑانے کا وقت آہستہ آہستہ قریب آ رہا تھا۔ اور آپ رضی اللہ عنہا اپنے عزیز بچے کے انتظار میں اپنے غموں کو بھلانے کی کوشش کر رہی تھیں اور یہ تصور کر کے اپنے آپ رضی اللہ عنہا کو تسلی دے رہی تھیں کہ جب اس کا لختِ جگر واپس لوٹے گا تو وہ آپ رضی اللہ عنہا کی دنیا کو انس و محبت اور نور سے بھر دے گا۔

آپ رضی اللہ عنہا نے محسوس کیا کہ حلیمہ بچے کو واپس لانے میں تاخیر کر رہی ہیں۔ شاید آپ رضی اللہ عنہا نے یہ ارادہ بھی کیا ہو کہ کسی کو بھیج کر اپنے بچے کو بلوالیں۔ جب کہ ان کی رضاعت کے دو سال مکمل ہو چکے ہیں، لیکن حلیمہ سعدیہ جلد ہی آپ ﷺ کو لے کر مکہ مکرمہ پہنچ گئیں۔ اپنے لختِ جگر ﷺ کے دیدار کی مشتاق ماں نے جونہی بچے کو دیکھا تو سینے سے اس طرح لگا لیا کہ گویا وہ انہیں اپنے آپ سے کبھی جدا نہ کرنا چاہتی ہوں۔ پھر تھوڑی دیر بعد بچے کو سینے سے الگ کیا اور بڑے پیار سے انہیں دیکھنے لگیں۔ آپ ﷺ کے جسم مبارک پر صحت اور تندرستی کے آثار نمایاں دیکھ کر بڑی خوش ہوئیں۔ جب حلیمہ سعدیہ نے محسوس کیا کہ ماں اپنے بچے کی صحت پر بڑی خوش ہے تو مکہ مکرمہ کے موسم اور فضا کے بارے میں بات کرنے لگی۔ کیونکہ یہ شدید گرمی کا موسم تھا۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اس کی بات پر زیادہ توجہ نہ دی۔ کیونکہ آپ اپنے بیٹے کو پیار کرنے میں مشغول تھیں۔ حلیمہ سعدیہ نے کچھ حوصلہ کر کے باتوں باتوں میں اپنے دِل کی بات کہہ دی کہ اگر کچھ عرصہ کے لئے بچہ کو میرے پاس رہنے دیں تاکہ وہ مزید صحت مند اور توانا ہو جائے تو اچھا ہے۔ مکہ مکرمہ کی وباء زدہ فضا اور آلودہ ماحول سے اس کی صحت کو

خطرہ ہے۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کو قبول نہ فرمایا اور حلیمہ سعدیہ کی طرف غصہ سے دیکھا کہ اس کے دِل میں کیسے خیال آیا کہ آمنہ رضی اللہ عنہا دوسری مرتبہ بھی اپنے دِل کے سرور آنکھوں کے نور کو اپنے سے جدا کر سکتی ہے۔ لیکن حلیمہ سعدیہ اس سے مایوس نہ ہوئیں۔ اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو ان کی محبت اور ماں کا واسطہ دیتے ہوئے بچے کو ساتھ لیجانے کے لئے اصرار کرتی رہیں۔ اور انہیں یقین دلاتی رہیں کہ کچھ عرصہ تک بچہ کیلئے مکہ مکرمہ کی فضا سے باہر رہنا ہی بہتر ہے۔ بچہ اس کے ساتھ جائے گا تو صحرا کی کھلی فضا میں صحت و عافیت کے ساتھ پھلے پھولے گا۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے لختِ جگر کی طرف دیکھتی ہیں انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ بچہ صحرا کی پاکیزہ اور کھلی فضا میں صحت مند اور توانا رہا ہے۔ محبت و شفقت اور ممتا سے سرشار دل نے بچہ کی بہتری اور سلامتی کیلئے مزید صبر کرنا قبول کر لیا۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے غم و اندوہ کے عالم میں دوسری مرتبہ بچے کو الوداع کہا۔ حلیمہ سعدیہ، حضرت محمد ﷺ کو گود میں لئے شاداں و فرحاں واپس آ گئیں۔ وہ خود اور ان کی قوم کے افراد، رسول اللہ ﷺ کے وہاں اقامت پذیر ہونے کے خواہشمند تھے کیونکہ وہ آپ ﷺ کی برکات کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کر چکے تھے۔

ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ حلیمہ سعدیہ پریشانی کے عالم میں خود بخود بچے کو اس کی والدہ کے پاس لے آتی ہیں۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو لختِ جگر کی ملاقات کی خوشی کے ساتھ ساتھ حلیمہ سعدیہ کے جلد واپس لانے پر تعجب بھی ہوا، پوچھنے لگیں، حلیمہ! اسے جلدی واپس کیوں لے آئی ہو۔ حالانکہ تم تو اسے بڑے اصرار کے بعد لے گئی تھیں۔ حلیمہ سعدیہ نے کچھ تردّد سے جواب دیا۔ ہم نے اپنا فرض خوش اسلوبی سے ادا کر دیا اب بہتر ہے کہ ہم اسے آپ رضی اللہ عنہا کی خواہش کے مطابق آپ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیں۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اس جواب سے

مطمئن نہ ہوئیں۔ اور اس سے آپ رضی اللہ عنہا کے دِل کے شکوک وشبہات دور نہ ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہا حلیمہ سعدیہ سے پوچھتی رہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے آپ رضی اللہ عنہا کو تمام واقعہ سے آگاہ کردیا انہوں نے بتایا۔ محمد ﷺ کی واپسی کے دو تین ماہ بعد ایک روز ہمارے گھروں کے عقب میں محمد ﷺ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرا رہے تھے کہ اچانک ان کا بھائی دوڑتا ہوا آیا اس نے مجھے اور اپنے والد کو بتایا کہ دو مرد جنہوں نے سفید لباس پہنا ہوا تھا۔ میرے قریشی بھائی کے پاس آئے اور پکڑ کر اسے زمین پر لٹا دیا۔ اس کے شکم کو چاک کیا۔ اب وہ اس کو سی رہے ہیں۔ میں اور میرا خاوند جلدی سے نکلے۔ ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ کھڑے ہیں اور چہرہ مبارک کی رنگت زردی مائل تھی۔ آپ ﷺ کے رضاعی باپ نے آپ ﷺ کو گلے سے لگالیا ہم نے پوچھا: بیٹا کیا ہوا؟ آپ ﷺ نے بتایا میرے پاس دو آدمی جنہوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے آئے اور مجھے پکڑ کر زمین پر لٹا دیا۔ پھر میرے شکم کو چیر دیا۔ پھر اس میں سے کوئی چیز نکالی اور اسے باہر پھینک دیا۔ مجھے معلوم نہیں ہوا وہ کیا تھی......

ہم دونوں آپ ﷺ کو ہمراہ لے کر گھر آئے۔ آپ ﷺ کے رضاعی باپ نے کہا اے حلیمہ! مجھے اندیشہ ہے کہ آپ ﷺ کو آسیب کا اثر ہوگیا ہے۔ قبل اس کے کہ آسیب کے آثار ظاہر ہوں انہیں ان کے گھر چھوڑ آؤ۔

اس لئے اب ہم انہیں لے کر آپ رضی اللہ عنہا کے پاس آگئے ہیں۔ بخدا ہم انہیں بادل نخواستہ آپ کو واپس کررہے ہیں۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے غور سے اس واقعہ کو سنا۔ ان پر کسی قسم کی پریشانی اور اضطراب کے آثار ظاہر نہ ہوئے۔ جب حلیمہ سعدیہ نے اپنی بات ختم کی تو آپ رضی اللہ عنہا نے ان سے پوچھا، کیا تمہیں یہ خوف ہے کہ میرے نور نظر کو شیطان اذیت پہنچائے گا۔ حلیمہ سعدیہ نے

جواب دیا ہاں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا بخدا ہر گز نہیں۔ شیطان اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔ تم دیکھو گی کہ میرے اس بچے کی شان بڑی نرالی ہوگی۔ کیا میں اپنے بیٹے کے بارے میں تمہیں کچھ بتاؤں۔ حلیمہ سعدیہ نے عرض کیا ضرور بتایئے۔ فرمانے لگیں جب مجھے حمل قرار پایا تو عام عورتوں کی طرح نہ تو مجھے اس کا بوجھ محسوس ہوا اور نہ کوئی تکلیف ہوئی۔ ولادت کے وقت اس نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیکے ہوئے تھے۔ اور سر آسمان کی طرف اٹھایا ہوا تھا۔ اب اسے میرے پاس ہی رہنے دو۔ یہ سن کر حلیمہ سعدیہ کو ایسے لگا جیسے انہیں کوئی بھولی ہوئی چیز یاد آگئی ہو۔ کہنے لگیں اب میں اس حقیقت سے آشنا ہوئی ہوں جو مجھے پہلے معلوم نہ تھی۔ جب میں دوسری مرتبہ آپ ﷺ کو گھر سے مکہ مکرمہ لارہی تھی تو حبشہ کے کچھ نصرانیوں نے انہیں دیکھا۔ انہوں نے مجھ سے ان کے بارے میں پوچھا اور بڑے غور سے آپ ﷺ کو دیکھنے کے بعد کہنے لگے۔ ہم اس بچہ کو اپنے ملک لے جائیں گے۔ یہ بڑی شان والا بچہ ہے۔ ہم اسے بہتر جانتے ہیں۔ یہ سن کر میں نے بچہ ان سے چھین لیا۔ اس واقعہ نے بھی مجھے بچے کو واپس کرنے پر آمادہ کرلیا تھا۔ میں نے اس کا ارادہ بھی کرلیا تھا لیکن سامنے بنی سعد کے کچھ خیمے دیکھ کر مجھے تسلی ہوگئی۔ میں بچہ لے کر ان کی طرف بھاگ نکلی وہاں پہنچ کر مجھے کچھ اطمینان ہوا۔ پھر اپنی یادداشت پر زور دے کر کہنے لگیں۔ مجھے وہ وقت بھی یاد ہے۔ جب میں پہلی مرتبہ اپنے بیٹے محمد ﷺ کو مکہ سے لے کر جارہی تھی۔ کچھ یہودی میرے پاس سے گزرے۔ میں نے ان سے پوچھا تھا تم مجھے میرے اس بیٹے کے بارے میں بتاؤ۔ میں نے بیٹے کی سعادت وبرکت کے متعلق تمام واقعات بیان کردیئے۔ یہ بات سن کر انہوں نے مجھے انتہائی پریشان کردیا۔ وہ ایک دوسرے کو کہنے لگے اس بچے کو قتل کردو۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگے کیا یہ یتیم ہے؟ میں نے اپنے خاوند کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ نہیں یہ اس کا باپ ہے اور میں اس کی ماں ہوں۔ کہنے لگے اگر یہ یتیم ہوتا تو ہم اسے قتل کردیتے۔ (۱)

۱؎ طبقات ابن سعد: ۱۱/۷

شق صدر اور فرشتوں کی اس روایت کو قبول نہ کرنے میں مستشرقین کے پاس تو کوئی عذر ہوسکتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر محمد حسین ہیکل نے اس واقعہ کے انکار پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ مزید براں اسے عام مستشرقین اور عام مسلم مفکرین کا موقف قرار دیا ہے۔

مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے اس واقعہ کے انکار کو کس طرح عام مسلم مفکرین کا موقف قرار دیا ہے۔ حالانکہ مسلمان مفکرین میں بہت کم لوگ ہوں گے جنہیں شق صدر کی حدیث قبول کرنے میں تردد ہو۔ وہ لوگ اس واقعہ کو دلائل نبوت میں شمار کرتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد حسین ہیکل اپنے موقف کی تائید میں کہتا ہے۔ جب نبی پاک ﷺ کی تمام زندگی ایک بلند مرتبہ انسانی زندگی ہے۔ آپ ﷺ کو اپنی رسالت ونبوت کو ثابت کرنے کے لئے معجزات کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ یہ چیز مستشرقین اور مسلمان مفکرین کو شق صدر کے واقعہ کے بارے میں یہ موقف اختیار کرنے کی دعوت دیتی ہے۔(۱)

مستشرقین جب نبی کریم ﷺ کی حیات مقدسہ کے ان تمام واقعات کا انکار کرتے ہیں جو انہیں خلاف عقل محسوس ہوتے ہیں تو انہیں اس موقف اور نظریہ میں بعض مسلم مفکرین کی بھی تائید حاصل ہوتی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس قسم کے واقعات مخلوق خدا میں غور وفکر کرنے کی دعوت قرآنی کے مخالف ہیں اور یہ قرآن کریم کے اس حکم "ولن تجد لسنة الله تبديلا" (۲) "اور آپ سنت الٰہی میں ہرگز کوئی تغیر وتبدل نہ پائیں گے" کے بھی خلاف ہیں کیونکہ قرآن کریم نے مشرکین کو یہ عار دلائی ہے کہ وہ بات کو سمجھتے نہیں اور ان کے پاس غور وفکر کرنے والے دل نہیں اس لئے یہ چیز قرآن حکیم کے اس حکم کے بھی مخالف ہے۔ میرے خیال میں ڈاکٹر ہیکل اور مستشرقین اس مقام پر اپنی رائے کا اظہار کر رہے ہیں جہاں ذاتی رائے کا کوئی اعتبار ہی نہیں۔ بلکہ یہاں اعتبار تو روایت کی سند اور راویوں کے احوال کے بارے میں غور وفکر کرنے میں ہے۔ ڈاکٹر ہیکل نے بھی اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔

۱ حیات محمد ﷺ ص:۷۳ ۲ سورۃ الاحزاب:۶۲ ۱ حیاۃ محمد ﷺ ص:۷۳

ان کا خیال ہے کہ اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ اس کے متن پر بھی اس اعتبار سے جرح کی ہے کہ تمام روایات اس بات پر متفق ہیں کہ محمد ﷺ اپنی عمر کے پانچویں سال تک بنو سعد میں مقیم رہے اور فرشتوں کے اس واقعہ میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی عمر اس وقت تین برس سے کم تھی۔ اور آپ ﷺ کو دودھ چھڑانے کے کچھ ماہ بعد مکہ مکرمہ واپس بھیج دیا گیا۔ اس طرح ان دونوں روایتوں میں صریح تناقض ہے۔ اور اس متن پر اس اعتبار سے بھی جرح کی ہے کہ یہ قصہ ایسا ہے کہ اس میں عقل کو کوئی دخل نہیں۔(۱) میرے خیال میں ڈاکٹر ہیکل کو نقد حدیث میں اپنے آپ کو دھکیلنا نہیں چاہئے تھا۔ کیونکہ یہ ان کا موضوع نہیں۔ اس واقعہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے مروی حدیث کو ابن اسحاق نے اس سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

مجھے ثور بن یزید نے بعض اہل علم سے بیان کیا ہے اور میرے خیال میں بعض اہل علم سے مراد خالد بن معدان کلاعی ہیں کہ کچھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمیں اپنے بارے میں کچھ بتائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں میں اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور اپنے بھائی موسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔ جب میری والدہ حاملہ ہوئیں تو انہوں نے دیکھا کہ ایک نور جسم سے نکلا ہے۔ جس سے شام کے محلات روشن ہوگئے میں نے بنو سعد بن بکر میں دودھ پیا۔ میں اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ اپنے گھروں کے پیچھے بکریاں چرا رہا تھا کہ دو آدمی آئے جنہوں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے......... یوں آپ ﷺ نے شق صدر کا واقعہ بیان فرمایا(۲)

اگر ہم اس حدیث کو خالد بن معدان کلاعی کی مرسلات میں شمار کریں تو تب بھی محدثین، ثقہ تابعین کی روایت قبول کرنے پر متفق ہیں۔ صحاح ستہ کے مؤلفین کرام نے خالد بن معدان سے احادیث روایت کی ہیں۔ آپ کا شمار تابعین کرام کے فقہاء اور صلحاء میں ہوتا

۱ تہذیب التہذیب:۱۱۸/۳

ہے۔ آپؒ تقریباً ستر صحابہ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ امام اوزاعیؒ آپؒ کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ بہت سے حفاظ حدیث نے آپؒ سے روایات لی ہیں۔ یہ ثور بن یزید، محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی، حریز بن عثمان، حسان بن عطیہ اور ان کے طبقہ کے دوسرے محدثین ہیں۔(۱)

ثور بن یزید، جن سے ابن اسحاق نے یہ حدیث سنی ہے یہ ابو خالد حمصی ہیں۔ ان کا شمار بھی ثقہ علماء اور حفاظ حدیث میں ہوتا ہے۔ آپؒ نے خالد بن معدان، زھری، مکحول، عطا، عکرمہ، ابن جریج، ابی الزناد اور بہت سے دوسرے محدثین سے احادیث روایت کی ہیں۔ اور آپؒ سے بہت سے حفاظ حدیث نے روایات نقل کی ہیں جیسے سفیان بن عینیہ، سفیان ثوری، عیسیٰ بن یونس، ابن اسحاق، ابن مبارک، یحییٰ بن سعد القطان، ولید بن مسلم، ابو عاصم النبیل وغیرہ۔

بعض لوگوں نے عقیدہ قدر کی وجہ سے آپؒ پر جرح کی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی اعتراض نہیں یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں کہ میں نے ثور بن یزید سے زیادہ ثقہ کوئی شامی نہیں دیکھا۔ وکیع فرماتے ہیں کہ ثور صحیح الحدیث تھے۔ میں نے انہیں دیکھا ہے کہ بڑے عبادت گزار تھے۔ امام بخاری اور چاروں اصحاب سنن نے آپ کی روایات نقل کی ہیں۔

ابن اسحاق نے شق صدر کے واقعہ میں صرف اسی حدیث پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اس سے پہلے رضاعت کی حدیث کو اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں حلیمہ بنت ابی ذوئیب سعدیہ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی والدہ بیان فرماتی ہیں کہ وہ اپنے شہر سے قبیلہ کی عورتوں کے ساتھ نکلیں...... اس میں شق صدر کا واقع بھی بیان کیا گیا۔ اور جہاں تک اس حدیث کے متن میں جرح کا تعلق ہے کہ اس روایت میں اور دوسری روایات میں تناقص ہے تو شاید ڈاکٹر صاحب کو یہ بات بھول

---

۱ سیرت ابن ہشام: ۱/ ۱۷۷۔ عیون الاثر: ۱/ ۳۷

ہی گئی کہ حلیمہ سعدیہ دودھ چھڑانے کے بعد حضور ﷺ کو مکہ مکرمہ لے آئی تھیں۔ پھر اصرار کر کے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا سے اجازت لیکر انہیں دوبارہ اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔

اس اعتبار سے متن میں جرح کرنا کہ یہ واقعہ ایسا ہے کہ عقل اسے تسلیم نہیں کرتی، قابل تردید بھی ہے۔ کیونکہ شق صدر عقلی طور پر محال نہیں ہے۔ اگر اسے عقلی طور پر محال فرض بھی کر لیا جائے تو تب بھی اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ اس کا تعلق ان دلائل نبوت سے ہے جو محدثین سیرت نگاروں اور مؤرخین کے نزدیک مشہور اور صحیح ہیں۔

بحث ششم

سفر آخرت

☆ سوئے یثرب

☆ الوداع

☆ یتیم کی واپسی

سوئے یثرب

ہم دوبارہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی طرف آتے ہیں۔ جب حضرت محمد ﷺ نے اپنی زیادہ سے زیادہ مقررہ مدت صحرا میں گزار لی تو حلیمہ سعدیہ آپ ﷺ کو واپس حرم پاک لے آئیں۔ جو ان کے بزرگ آباء کا قدیمی اور عظیم وطن تھا۔ اب سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا خود اپنے اکلوتے یتیم لخت جگر کی نگہداشت کرنے لگیں۔ آپ ﷺ کی واپسی سے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا پر سے غم وحزن کے وہ مہیب سائے چھٹنے لگے جو تنہائی کی وحشت اور جوانی میں بیوہ ہونے کی وجہ سے چھائے ہوئے تھے۔ میرا خیال ہے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے والد ماجد کے بارے میں ضرور بتاتی ہونگی۔ ان کے اوصاف حمیدہ اور قصہ فداء بیان کرتی ہونگی۔ اور ان کی عظیم آرزوؤں کا ذکر بھی کرتی ہوں گی۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے لخت جگر پر خوب توجہ دی۔ اپنی بساط سے بڑھ کر ان کی نگہداشت اور تربیت کی۔ کیونکہ ایک آپ ﷺ ہی اپنی ماں کی آنکھوں کا نور اور آرزوؤں کا مرکز تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات مقدسہ کے اس حصہ پر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے کردار نے جو اثر مرتب کیا۔ اس کا اعتراف سیرت نگار بھی کرتے ہیں۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا بنت وہب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پروان چڑھایا۔ خوب چڑھایا۔ (۱) سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی یہ توجہات ثمر بار ہوئیں۔ چنانچہ اوائل عمری میں ہی جوانمردی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ جب آپ ﷺ کی عمر مبارک چھ سال ہوئی تو آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے آپ ﷺ کی ذات میں ایک ایسے عظیم آدمی کی صورت ابھرتی دیکھی جس کا اکثر وہ تصور کیا کرتی تھیں اور جس کا خواب میں ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔

---

۱ سیرت ابن ہشام: ۱/۵۵-۱۵۴

اب سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے خیال کیا وہ سنہری گھڑی آ گئی ہے کہ میں اپنے فرض کو ادا کروں اور اپنی اس خواہش کو پورا کروں جس کے انتظار میں میں نے اتنا طویل عرصہ گزارا ہے۔ انہوں نے اپنے لختِ جگر کو بتایا کہ ہم دونوں یثرب جائیں گے تا کہ وہاں ان کے پیارے والد کے مزار کی زیارت کریں بیٹا یہ سن کر بڑا خوش ہوا اور تصور کرنے لگا کہ اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ اپنے والد محترم کے مزار کی زیارت کرے گا۔ اور اپنے والد کے ماموں سے ملے گا جو یثرب میں مقیم ہیں اور جنہیں وہاں بڑا مقام ومرتبہ اور شان وشوکت حاصل ہے۔

شاید انہوں نے اپنی والدہ سے اپنے دادا حضرت عبدالمطلب کے ماموں ابووہب بن عمرو کا قصہ کئی بار سنا ہو کہ جب قریش نے بیت اللہ شریف کی تعمیر جدید کا ارادہ کیا تو وہ کہنے لگے۔ اے قریش! اس تعمیر میں اپنی حلال کی کمائی صرف کرنا۔ اس میں کسی زانیہ کی کمائی، سود کی رقم اور ظلماً چھینا ہو مال خرچ نہ کرنا۔

اسی طرح شاید انہوں نے ابووہب کے بارے میں کسی شاعر کے یہ اشعار بھی سنے ہوں۔

''اگر میں اپنی سواری ابووہب کے پاس بٹھاؤں گا تو وہ ان کی سخاوت سے محروم نہیں رہے گی۔

وہ انتہائی خوبصورت، لوئی بن غالب کی دونوں شاخوں سے تعلق رکھتے ہیں جب اعلیٰ نسب کو ممتاز کیا جائے تو وہ خون کا بدلہ لینے میں بڑے جری ہیں۔ سخاوت کر کے خوش ہوتے ہیں۔''

جس وقت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اس طویل اور دشوار سفر کے لئے تیاری کی اس وقت گرمی کا موسم تھا۔ سورج کی تپش سے مکہ مکرمہ کی چٹانیں انگارہ بنی ہوئی تھیں اور ریت بھڑک رہی تھی۔ اس سفر میں طویل مسافت طے کر کے یثرب پہنچنا تھا۔ جہاں ان کے شوہر نامدار

آرام فرماتے تھے۔ جنہوں نے سات سال پہلے آپ رضی اللہ عنہا کو الوداع کہا تھا۔ آپ پتھریلی ریت والے صحرا میں سفر کی صعوبت سے ناواقف نہ تھیں۔ اور نہ ہی آپ رضی اللہ عنہا ان مصائب سے بے خبر تھیں جن سے اس ہیبت ناک صحرا میں سفر کرنے والوں کو واسطہ پڑتا ہے۔ لیکن یثرب کی زیارت کا شوق صحرا کے سفر کے خوف پر غالب تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا کئی دن اپنی سواری اور زادِ راہ کی تیاری میں مشغول رہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی اونٹنی کے لئے ایک سایہ دار ہودج تیار کر لیا تا کہ آپ کا لختِ جگر دھوپ سے بچ سکے۔

پھر آپ رضی اللہ عنہا موسم گرما میں مکہ مکرمہ سے شمال کی جانب جانے والے پہلے قافلہ کا انتظار کرنے لگیں۔ جب قافلہ نے کوچ کا اعلان کیا تو آپ رضی اللہ عنہا اپنے لختِ جگر کو لے کر اپنی اونٹنی پر سوار ہوگئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہا کی وفادار کنیز اُم ایمن بھی تھیں۔ (۱)

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس کاشانہ پر الوداعی نظر ڈالی جہاں انہوں نے اپنے شوہر نامدار حضرت عبداللہ کے ساتھ کچھ عرصہ گزارا۔ اور اس میں ان کے وصال کے بعد اپنے لختِ جگر کو جنم دیا۔ پھر آپ حرم میں تشریف لے گئیں۔ اور بیت اللہ کا طواف کیا اور دعا مانگی۔

پھر یہاں سے شمال کی جانب نکلنے کا قصد کیا جہاں قافلہ روانہ ہونے کے لئے تیار تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اونٹوں کا شور اور الوداع کہنے والوں کی دعائیں سنائی دے رہی تھیں۔

ابتدا میں تو قافلہ آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ بلد حرم کی جدائی ان پر بڑی شاق گزر رہی ہے۔ حتیٰ کہ جب مکہ مکرمہ کے آثار ان بلند وبالا پہاڑوں میں ان کی نظروں سے اوجھل ہوئے جو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ تو یہ مسافر شمال کے راستے پر گامزن ہوگئے۔ اور حسب استطاعت تیزی سے سفر کرنے لگے تا کہ اپنے وقت پر شام کی منڈی میں پہنچیں، پھر اپنے اہل وعیال اور احباب کی طرف واپس لوٹ آئیں۔ حدی خواں نے حدی گاتے ہوئے پہلے اپنے وطن کو الوداع کہا پھر اونٹوں سے پانی، سائے اور

---

۱ زرقانی: ۱/۱۶۳

آرام کا وعدہ کیا تاکہ یہ تیز تیز چلیں۔ اور مسافروں کو ان کی منزل مقصود تک پہنچائیں۔ پھر جب صحرا میں حدی خواں کی حدی کی صدائے بازگشت سنائی دی تو جدائی کے غم سے مسافروں کے دِل پسیج گئے۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے بڑی شفقت سے اپنے لختِ جگر کی طرف دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر کے عنقریب ہونے والی ملاقات کا تصور کرنے لگیں۔ صحرا کے سکوت نے اس کیفیت میں اور اضافہ کر دیا۔ البتہ حدی کے نغمے کبھی کبھار کانوں میں پڑتے تھے۔ آپ نے اکثر سفر اسی کیفیت میں طے کیا۔ لیکن جب کسی حدی خواں کی غم انگیز حدی سن لیتیں جو آپ کو دور سے سنائی دیتی تو اپنے محبوب شوہر کی یاد سے دِل کی دھڑکن تیز ہو جاتی۔ اور نگاہیں شمالی افق پر مرکوز ہو جاتیں جہاں دور سے یثرب کے وہ سرسبز نخلستان دکھائی دے رہے تھے۔ جن کے درختوں کے گھنے سائے اس عظیم مرقد پر پھیلے ہوئے تھے جس کی پاکیزہ خاک میں ان کے شوہرِ نامدار ابدی نیند سو رہے تھے۔

جب رات کی تاریکی چھا گئی، حدی خواں خاموش ہو گیا۔ قافلے والے سو گئے اور کائنات پر سکتہ طاری ہو گیا تو سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اکلوتے لختِ جگر کو سینے سے لگایا اور خود خوابوں میں گم ہو گئیں جو انہیں ان کے شوہرِ نامدار کے مزار پر انوار پر لے گئے۔ وہ عالم تصور میں دیکھتی ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روح اقدس دور سے اپنی محبوب زوجہ کے استقبال اور عزیز لختِ جگر کو پیار کرنے آ رہی ہے۔

سفر اپنے اختتام پر پہنچ رہا تھا۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا ان تصورات میں سے نکل کر اپنے جگر گوشہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔ اور انہیں پھر والد گرامی کے بارے میں بتانے لگیں اور پھر انہیں بتایا کہ ہم ابھی اس خوبصورت شہر میں پہنچ جائیں گے۔ جس کے آثار احد پہاڑ کے پیچھے سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ یہ شہر ایک وسیع میدانی علاقے اور ہموار زمین پر واقع ہے۔ اس کی سر

سبز گھاس تا حد نگاہ پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی بلند و بالا کھجوریں گھنا سایہ کر رہی ہیں۔ قافلہ نے تھوڑی دیر کے لئے یثرب میں پڑاؤ کیا۔ کچھ دیر کے لئے آرام کیا۔ پھر کھجوریں اور پانی لے کر شمال کی جانب اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے اور کنیز کے ہمراہ بنو نجار میں اتر گئیں۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا جونہی اپنے میزبانوں کی خوش آمدید اور استقبال سے فارغ ہوئیں اپنے بیٹے کو اس کمرے میں لے گئیں جہاں ان کے والد بیمار ہوئے تھے۔ اس کے بعد اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے چلی گئیں۔ پھر آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے کو ان کے ماموں زاد بھائیوں کے ساتھ چھوڑ دیا۔ آپ ﷺ اپنے بھائیوں کے ساتھ باہر میدان میں نکل گئے۔ وہیں آپ ﷺ نے بنی نجار کے حوض میں تیراکی سیکھی۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے محبوب شوہر کی قبر پر ہر روز حاضری دیتیں۔ کبھی ان کے ساتھ سرگوشی میں مشغول ہو جاتیں۔ اور کبھی ان پر آہ و بکاہ طاری ہو جاتی۔ وہ اپنی ان دونوں حالتوں پر راضی اور مطمئن تھیں۔ محبوب سے قرب کی انسیت نے ان کے حزن و ملال کو کچھ ہلکا کر دیا تھا۔ اس طرح پورا ایک ماہ گزر گیا۔ اس دوران آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کی قبر پر جی بھر کر آنسو بہا کر اپنے غموں کو بھلانے کی کوشش کی۔ جبکہ آپ رضی اللہ عنہا کے لختِ جگر شہر کی خوشگوار فضا اور ماموں زاد بھائیوں کی رفاقت سے مسرور تھے۔

کسی کو یہ معلوم نہیں کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے یثرب سے مکہ مکرمہ روانگی سے پیشتر آخری رات کیسے گزاری۔ میرا غالب گمان ہے کہ انہوں نے یہ آخری رات اپنے شوہر کے ساتھ سرگوشیاں کرتے کرتے گزاری ہوگی۔ جن سے دوسری مرتبہ جدائی کا وقت قریب تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے زبردستی اپنے دِل کو اپنے محبوب شوہر کی یادوں سے معطر شہر چھوڑنے پر آمادہ کیا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے میزبانوں کی عمدہ مہمان نوازی کا شکریہ ادا کیا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہا اپنی اونٹنی پر سوار ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ کا بیٹا اور کنیز بھی تھیں۔ آخری مرتبہ اپنے شوہر کی قبر کی

زیارت کی اور بڑے صبر و تحمل سے الوداع کہنے والوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملیں۔ اور ایک مرتبہ پھر اپنے آپ کو غم و حزن کے حوالے کر دیا۔ اونٹنی حدی خوانی کے بغیر ہی ان کو لے کر مکہ کی جانب چل پڑی۔

الوداع

ابھی انہوں نے مکہ اور یثرب کے درمیان کچھ مسافت ہی طے کی تھی کہ ایک انتہائی تیز آندھی چلی جس کی جلا دینے والی گرم ہوا نے مسافروں کو جھلسا کر رکھ دیا۔ ان کے اردگرد اٹھتی ہوئی ریت آگ کے انگارے معلوم ہوتی تھی۔ اس وجہ سے یہ مختصر سا قافلہ کچھ دنوں کے لئے رک گیا۔ جب یہ آندھی تھم گئی اور اسکی شدت میں کمی آئی تو پھر یہ اپنے سفر پر گامزن ہو گیا۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے جسم میں کچھ کمزوری محسوس کی۔ اس نئی جدائی کی جلن نے ان کی طبیعت پر بڑا گہرا اثر ڈالا۔ ابتداء میں تو حضرت محمد ﷺ اپنی والدہ کی یہ حالت دیکھ کر بالکل نہ گھبرائے۔ کیونکہ آپ ﷺ کو امید تھی کہ ان کی طبیعت صحیح ہو جائے گی۔ لیکن سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ ان کا آخری وقت قریب ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے لخت جگر ﷺ کو اپنے سینے سے لگایا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے۔ بیٹا اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے ان کے آنسوؤں کو خشک کرنے لگا۔ اسے اس تکلیف دہ حالت سے پہلے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا۔ اچانک سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے بازوؤں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ حضرت محمد ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہا کو بڑے غور سے دیکھا۔ یہ حالت دیکھ کر آپ ﷺ خوفزدہ ہو گئے کہ ان کی آنکھیں بند ہو رہی ہیں۔ آہستہ آہستہ ان کی آواز بھی پست ہو رہی ہے یہاں تک کہ ہچکی لینے لگیں۔ آپ ﷺ نے روتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔ کہ وہ اس سے بات کریں۔ کہا جاتا ہے کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے لاڈلے کی طرف دیکھا اور کہا۔

"اے بیٹے! اللہ تجھے برکت دے۔ اے اُس عظیم باپ کے فرزند! جس نے بادشاہ

حقیقی اور منعم کائنات کی عنایت و مہربانی سے زبردست موت کے آہنی چنگل سے نجات حاصل کی۔ چنانچہ جس روز قرعہ اندازی ہوئی تو ان کے بدلے سو چرنے والے اونٹ قربان کیے گئے۔''

آپ رضی اللہ عنہا تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوگئیں اور کچھ سکون سا ہوا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہا دھیمے دھیمے سانس لینے لگیں اور موت کی ہچکی میں آہستہ سے کہا۔

''ہر نیا پرانا ہوگا اور بڑا فنا ہوگا۔ اب میں تو رخصت ہو رہی ہوں۔ لیکن میرا لخت جگر دنیا میں باقی رہے گا۔ کیونکہ میں ایک ایسے بچے کو جنم دے چلی ہوں جو سراپا طہارت اور سراسر خیر ہے۔''

آخری عدم کے سکون میں آپ رضی اللہ عنہا کی آواز گم ہوگئی۔ اس کے بعد آپ نے کوئی کلام نہ کیا نہ کبھی کریں گیں۔

کائنات پر ایک مہیب سکوت طاری ہوگیا۔ پھر غمگین بچے کی دلدوز چیخ نے اس سکوت کو توڑا جو صحرا میں اپنی والدہ کے دست اقدس پر سر رکھے اسے آوازیں دے رہا تھا۔ لیکن اسے کوئی جواب نہ ملا۔ پھر وہ بچہ ام ایمن کی طرف متوجہ ہوا اور اس سے اس زندگی کے سراغ کے بارے میں پوچھنے لگا جس کی شمع بجھ چکی تھی۔ بچے نے اس جسد خاکی کے ٹھنڈا ہونے اور آواز کے خاموش ہوجانے کے بارے میں پوچھا۔ اس مسکین عورت نے بچے کو اپنے سینے سے لگالیا۔ سوچے سمجھے بغیر کہنے لگی۔ بیٹا! یہ موت ہے۔ موت کیا ہے؟ اس نے بتایا یہ موت وہی ہے جس نے پہلے تمہارے والد گرامی کو بے خبری میں چھین لیا تھا۔ یہ وہی ہے جس نے تمہاری ماں کو بیوہ کردیا تھا۔ اس کے بعد ان کی زندگی کا کوئی لمحہ خوشگوار نہ رہ سکا۔ اور نہ ہی سات سال کی طویل مدت میں ان کے دِل کا یہ زخم مندمل ہوا۔ یہ موت وہی ہے جو پیاروں کو زمین کے اندر دفن کردیتی ہے۔ اس کے بعد نہ تو وہاں سے واپسی ہوسکتی ہے اور نہ

ہی ملاقات۔ اور یہی موت ہے جو مسافر کو اس منزل پر لیجاتی ہے جہاں سے وہ واپس نہیں آتا۔ یتیم لخت جگر صلی اللہ علیہ وسلم حیرانگی کے عالم میں اردگرد دیکھتے ہیں۔ کائنات انہیں بڑی خوفناک نظر آتی ہے۔ انہیں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کائنات کو وحشت اور ہیبت نے ڈھانپ لیا ہے۔ ان کی بے قرار آنکھیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں تو کیا دیکھتا ہے کہ اس پر بھی خاموشی طاری ہے۔ اور ہلکا نیلا رنگ چھایا ہوا ہے۔ پھر انہوں نے اپنی تھکی ماندی نظر کو دور افق میں دوڑایا تو اسے بادلوں کے بکھرے ہوئے ٹکڑے نظر آئے۔ آخر یتیم لخت جگر صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کی طرف لوٹے اور ان کے قریب بیٹھ کر خاموشی سے ان کے چہرے کی طرف دیکھنے لگے۔ ادھر اُم ایمن نے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے جسد مبارک کو کپڑے سے لپیٹ دیا اور چہرہ مبارک پر کپڑا باندھ کر آنکھوں کو بند کردیا۔ پھر جسد خاکی کو اٹھا کر قریبی گاؤں ابواء لے گئیں تاکہ وہاں آپ رضی اللہ عنہا کی آخری آرامگاہ کا بندوبست کیا جائے۔ بچہ سر جھکائے خاموشی سے پیچھے چلا آرہا ہے۔ جب لوگ ان کو قبر میں دفن کرنے لگے تو لخت جگر اپنی ماں کے ساتھ چمٹ گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی ماں کے ساتھ ہی جائے۔ یہ منظر دیکھ کر لوگوں پر گریہ زاری طاری ہوگئی۔ کہنے لگے۔ کچھ دیر کے لئے بچے کو ماں کے ساتھ رہنے دو۔ پھر نرمی سے سمجھا کر اسے دور لیجانا اور اس کی والدہ کو دفن کردینا۔

یتیم کی واپسی

جب ام ایمن دریتیم ﷺ کو لے کر مکہ مکرمہ پہنچیں تو اس غمزدہ بچے کو دیکھ کر اہل مکہ پر سکتہ طاری ہوگیا۔ جو ایک ماہ پہلے خوشی خوشی اپنی ماں کے ساتھ یثرب گیا تھا۔ آج وہ تن تنہا یتیمی کے ساتھ ماں کی جدائی کا زخم بھی لے کر واپس لوٹ رہا ہے۔

وہ غم وحزن کے تلخ ذائقہ سے آشنا بھی ہوچکا تھا۔ اس نے اپنی عزیز ترین ہستی کی موت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ہائے افسوس! اس المناک حادثہ کے بارے میں اس کی والدہ نے اسے کئی بار بتایا تھا۔ جب وہ اس کے سامنے اس کے والد حضرت عبداللہ کا ذکر کرتیں۔

اہل مکہ حضرت محمد ﷺ کی اس واپسی کو اس دن پھر یاد کریں گے جب وہ نصف صدی بعد رات کی تاریکی میں اس شہر سے ہجرت کر کے یثرب کی طرف نکلیں گے۔ آپ ﷺ کے ساتھ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہونگے۔ اور قریش آپ ﷺ کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہونگے۔ اہل مکہ اس یتیم کی واپسی کو اس دن بھی یاد کریں گے جب وہ دار ہجرت سے پھر اس کی طرف لوٹیں گے۔ اور اس میں فتح ونصرت کے ساتھ داخل ہونگے۔ تاکہ ان بتوں کو پاش پاش کریں جن کی وجہ سے حرم شریف کی عظمت داغدار ہوچکی ہے۔ اس وقت بیت اللہ کی چھت پر سے اللہ اکبر کا نعرۂ مستانہ بلند ہوگا۔ پھر اسی نعرۂ مستانہ کی صدا جزیرہ عرب کے اطراف واکناف میں گونجے گی۔

پھر وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ نعرۂ مستانہ آفاق عالم میں بلند ہوتا چلا جائے گا۔

یادگار

☆ ناقابل فراموش یادیں

☆ وہ خیال جو کبھی ذہن سے غائب نہیں ہوتا

☆ زندہ جاوید تذکرے

ناقابل فراموش یادیں

''میں یہاں اپنی والدہ کے ساتھ اترا تھا۔ اس گھر میں میرے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قبر ہے۔'' (ہجرت کے بعد عدی بن نجار کا گھر دیکھنے کے موقع پر فرمان)

یہاں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی روئے زمین پر زندگی کا ایک باب ختم ہو جاتا ہے۔ تاریخ کچھ مدت کے لئے آپ رضی اللہ عنہا سے منہ پھیر لیتی ہے۔ چونتیس سال بعد پھر آپ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور آپ رضی اللہ عنہا کو ایک رفیع الشان مقام دیتی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ماں ہیں۔ جسے آپ رضی اللہ عنہا نے یتیمی کی حالت میں حجاز کے صحراء میں مکہ اور یثرب کے درمیان تنہا چھوڑ دیا تھا۔ جونہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس برس کی ہوتی ہے۔ آسمانی وحی کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت کے اعلیٰ منصب پر فائز کیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کر کے اس دین قیم کے ساتھ مبعوث کرتا ہے۔ جس کی اتباع ایک دن مشرق و مغرب میں نوع نوع کے کروڑوں نفوس کریں گے۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے لخت جگر کے دِل میں ہمیشہ زندہ رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دِل ہمہ وقت ان کی یادوں میں دھڑکتا رہتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنی غم انگیز رقت طاری ہو جاتی کہ سنگدل سے سنگدل کے آنسو بھی نکل پڑتے۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے بیٹوں سے بڑھ کر محبت

وشفقت فرماتے۔

ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قریب رکھتے اور رات کو بھی اپنے قریب سلاتے۔ طبقات ابن سعد میں منقول ہے۔ حضرت عبدالمطلب جب حرم شریف میں حاضری کے لئے جاتے تو ظل کعبہ میں ان کے لئے خاص نشست گاہ بنائی جاتی، ان کے فرزندگان از راہ ادب اس نشست گاہ سے دور ہٹ کر بیٹھتے۔ لیکن جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو بلا جھجک اپنے ذی وقار دادا جان کی نشست پر بیٹھنے کے لئے آگے بڑھ جاتے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ان کو ایسا کرنے سے روکتے تو حضرت عبدالمطلب فرماتے اسے مت روکو، اسے آگے آنے دو۔ بخدا اس کی بڑی شان ہوگی۔ پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ بٹھاتے اور آپ کی پشت پر پیار سے ہاتھ پھیرتے۔

دادا جان کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت کرتے اور ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے۔ حتیٰ کہ آپ اپنی اولاد کے ساتھ صبح یا شام کا کھانا کھانے کا ارادہ کرتے تو کہتے، ٹھہر جاؤ، میرے بیٹے کو بھی آنے دو۔ (۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی فاطمہ بنت اسد نے بہت پیار دیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر محبت دی کہ جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم یتیمی کا تلخ غم بھول نہ پائے۔ یہ بے پناہ محبت وشفقت اور انس و پیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دِل سے اس المناک منظر کے نقوش نہ مٹا سکا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحرا میں والدہ کے وصال کے وقت پیش آیا۔ ابن سعد اپنی طبقات میں روایت کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے عمرہ میں جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کی قبر کے پاس سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

---

۱ طبقات ابن سعد: عیون الاثر ۱/ ۳۸

"اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت دے دی ہے۔"

آپ ﷺ قبر پر تشریف لائے۔ اسے درست کیا۔ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ آپ ﷺ کی یہ کیفیت دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی رونے لگے آپ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ والدہ کی محبت وشفقت یاد آ گئی تھی اس لئے میری آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک دن نبی کریم ﷺ باہر نکلے تو ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ چل پڑے۔ حتیٰ کہ ہم چند قبروں کے پاس پہنچے۔ آپ ﷺ نے ہمیں وہیں بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور خود ان قبروں سے گزر کر ایک قبر کے پاس بیٹھ گئے اور بہت دیر تک مناجات میں مشغول رہے۔ پھر آپ ﷺ کے رونے کی آواز بلند ہوئی۔ یہ دیکھ کر ہم بھی رونے لگے۔ پھر حضور ﷺ ہماری طرف تشریف لائے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ یا رسول اللہ ﷺ! کس یاد نے آپ ﷺ کو رلایا ہے؟ آپ ﷺ نے تو ہمیں بھی رلا دیا۔ اور خوفزدہ کردیا۔ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑا اور ہماری طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ کیا تم بھی میرے رونے سے گھبرا گئے تھے۔ ہم نے عرض کیا: جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ نے دو یا تین مرتبہ پوچھا پھر ارشاد فرمایا تم نے مجھے جس قبر کے پاس مناجات کرتے دیکھا۔ وہ میری والدہ آمنہ بنت وہب کی ہے۔ میں نے اپنے رب سے ان کی زیارت کی اجازت طلب کی تھی۔ اس نے مجھے اجازت دے دی۔ (۲)

اس طرح دنیا نے دیکھا کہ وہ ٹکڑا، زمین جسے وہ معمولی خیال کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کی نگاہوں کا ہمیشہ مرکز رہا کہ یہاں آپ ﷺ کی والدہ محترمہ کی آخری آرام گاہ ہے۔ آپ ﷺ کا دل مسافت وبعد کے باوجود اسی کی طرف مائل رہتا۔

قریش کو بھی اس چیز کا علم تھا۔ حتیٰ کہ ہند بنت عتبہ مشرکین کے اس لشکر کے ساتھ

(۱) طبقات ابن سعد: ۱۷۷۔ نہایۃ الارب: ۱۶/ ۸۷ (۲) صحیح مسلم: ۱۱/ ۱۰۵، ۱۰۸ سنن ابی داؤد: ۲۰/ ۷۵، تاریخ مکہ ص ۳۳۳

ابواء کے مقام سے گزری۔ جو بدر کے مقتولین کا بدلہ لینے مدینہ جارہا تھا تو اس نے سپہ سالار ﷺ اسلام کو اذیت دینے کے لئے ان کی والدہ کی قبر اکھیڑنے سے زیادہ اور کوئی بہتر حربہ مناسب نہ سمجھا اور قریش کی حفاظت کیلئے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے اعضاء مبارکہ کے علاوہ کسی اور چیز کو زیادہ قیمتی نہ پایا۔ ہشام بن عاصم اسلمی روایت کرتے ہیں کہ جب قریش غزوہ احد میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ جنگ کے لئے نکلے تو ابواء کے مقام پر فروکش ہوئے۔ ہند بنت عتبہ نے اپنے خاوند سفیان بن حرب سے کہا۔ محمد ﷺ بن عبداللہ کی والدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر یہاں ابواء میں ہے اسے تلاش کرو۔ اگر اس جنگ میں تم میں سے کوئی قید ہوگیا تو اس کے اعضاء کے بدلہ میں اسے چھڑا لینا۔ (۱)

سفیان نے قریش سے ابھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا کہ ہند پر انتہائی خوف طاری ہوگیا اور اس نے چیخ کر اپنے خاوند کو کہا۔ اسے رہنے دو۔ ہم پر ہلاکت کا یہ دروازہ مت کھولو۔ شاید اس ناپسندیدہ حرکت پر ابن آمنہ ﷺ اور اہل ایمان کے غیض وغضب کے تصور نے اسے خوفزدہ کردیا ہو۔

قریش کا لشکر ابواء سے کوچ کر گیا۔ اور انہوں نے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر کی بے حرمتی کی جرأت نہ کی جس میں انہیں آج سے چالیس سال پہلے ان کے یتیم لخت جگر ﷺ نے اتارا تھا۔ اور جسے وہ عمر بھر نہ بھول سکے۔

زمانہ کے حوادث اور لیل ونہار کی گردش والدہ کی گود میں گزارے ہوئے ایام کی یادوں کو آپ ﷺ کے دل سے نہ مٹا سکی۔ اپنی والدہ کے ساتھ یثرب کے پہلے سفر کے مناظر ابھی تک آپ ﷺ کو یاد تھے۔ جب آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تو آپ ﷺ ان مقامات سے گزرے جو آپ ﷺ نے نصف صدی پہلے دیکھے تھے۔ انہیں دیکھ کر آپ ﷺ کے ذہن میں وہ یادیں تازہ ہوگئیں۔

(۱) تاریخ مکہ: ص ۴۸۱ (۲) طبقات ابن سعد ۱/ ۷۷

مروی ہے، جب آپ ﷺ نے عدی بن نجار کے محلّہ کو دیکھا تو ارشاد فرمایا۔

یہاں میں اپنی والدہ کے ساتھ آیا تھا۔ اور اس گھر میں میرے والد جناب عبداللہ کی قبر ہے۔(۲)

جب آپ ﷺ بنی عدی کے ٹیلوں کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ ﷺ پر رقت طاری ہوگئی اور فرمایا۔ ''میں قبیلہ انصار کی انیسہ نامی لڑکی کے ساتھ یہاں کھیلا کرتا تھا۔ میں اپنے ماموں کے بچوں کے ساتھ یہاں آتا تھا اور تیرا کی سیکھتا تھا۔''

حضرت محمد ﷺ نے اپنی محبوب جائے پیدائش جو آپ ﷺ کے مکے سے چلے جانے کے بعد بھی موجود رہی کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ اور نہ ہی آپ ﷺ ان گزرے ہوئے ایام کو بھولے جو اُس مقام پر گزرے۔ آپ ﷺ مکے میں قیام کے دوران جب بھی وہاں سے گزرتے تو کچھ دیر کیلئے رک کر اُس گھر کی عظمت کا تصور کرتے۔ جسے زمانے کے حوادث نے سنسان کردیا تھا۔ پھر اپنی ماں کے ساتھ گزرے ہوئے حسین لمحات کی حقیقی تصویر آپ ﷺ کی نگاہوں میں آجاتی۔

فتح مکہ کے بعد جب آپ ﷺ اس مُقدس سرزمین پر واپس لوٹے تو آپ ﷺ کو پتہ چلا کہ آپ ﷺ کی جائے پیدائش آپ ﷺ کے چچازاد بھائی عقیل بن ابی طالب کے قبضہ میں ہے۔ جس طرح مہاجرین سے مال لوٹانا مناسب نہ تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے اپنا گھر واپس لینا مناسب نہ سمجھا۔ (اخبار مکہ ازرقی)

آپ ﷺ کی جائے پیدائش پہلے حضرت عقیلؓ کے پاس رہی جو انکی وفات کے بعد انکی اولاد کے قبضے میں آگئی۔ اور آخر کار محمد بن یوسف نے اسے خرید لیا اور اور اپنے ''بیضا'' نامی گھر میں شامل کرلیا۔ بعد میں خلیفہ موسیٰ وہارون کی ماں ''خیزران'' نے جب حج کیا تو اُسے اُن سے لیکر عبادت کیلئے مختص کردیا۔ اور ان گلیوں کی طرف راستہ نکالا جنہیں ''جائے

پیدائش'' کی گلیاں کہتے ہیں۔ مؤرخین نے وہاں سے نکالے جانے والے لوگوں کے تاثرات اس طرح بیان کیے ہیں۔ ''بخدا! ہم جب تک وہاں رہے حفظ وامان میں رہے اور جب سے ہمیں نکالا گیا ہے ہم پریشانی اور مشکلات میں گھر گئے ہیں۔

(۱) النہایہ بن اکثیر ا/۱۸۶

خیال جو ذہن سے کبھی غائب نہیں ہوتا

''میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں۔ میں طویل قرأت کرنا چاہتا ہوں۔ پھر بچے کے رونے کی آواز سن کر اپنی نماز کو مختصر کردیتا ہوں۔ کیونکہ مجھے اُس کی والدہ کا تکلیف میں ہونا پسند نہیں۔'' (حدیث شریف)

لخت جگر کی عمر سات برس ہونے سے پہلے ہی سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا زیر خاک چلی گئیں۔ دنیا نے آپ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشگوار زندگی بھی گزارتے ہوئے دیکھا۔ یہ بھی دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب نبوت پر فائز کیا۔ اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بت پرستی اور ہر گمراہی کے خلاف کامیاب تاریخی معرکے بپا کرتے بھی دیکھا۔

لیکن جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس ظاہری دنیا میں زندہ رہے۔ ماں کا حسین تصور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں باقی رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں بھی گئے جہاں بھی ٹھہرے ماں کی یادیں ساتھ رہیں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اقدس پر رحمت ورأفت اور الفت ومحبت کے انمٹ نقوش ثبت کئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ماں کا مقام اس قدر بلند ہے کہ اس کی بلندی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں اپنی رضاعی والدہ ثویبہ کے ساتھ صلہ رحمی کیا کرتے تھے۔ اسی طرح سیدہ خدیجہ بھی ان کی بڑی عزت وتکریم کیا کرتی تھیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کیلئے کپڑے اور دوسرے تحائف بھیجا کرتے تھے۔

یہاں تک کہ سات ہجری میں خیبر کی فتح سے واپسی پر انہیں ان کے وصال کی خبر

ملی۔ جب ایک سال بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کامیاب وکامران مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو فتح کی خوشی میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثویبہ کو فراموش نہ کیا بلکہ ان کے بیٹے مسروح کے بارے میں پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ وہ اپنی والدہ سے پہلے ہی فوت ہوگیا تھا۔ اب اس کا کوئی عزیز باقی نہیں۔ (۱)

اسی طرح آپ اپنی حبشی دائیہ اُم ایمن کے ساتھ بھی حسن سلوک فرمایا کرتے تھے۔ یہ سفر یثرب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے ساتھ تھیں۔ ابواء کے مقام پر ان کے وصال کے وقت بھی موجود تھیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی ام ایمن کی طرف دیکھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت طاری ہوجاتی اور فرماتے یہ میری ماں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے بعد میری ماں ہیں۔ (۲)

اپنی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن سلوک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دِل میں جاگزیں ماں کی محبت کا مظہر ہے۔ ابوطفیل عامر بن واثلہ کنانیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جعرانہ کے مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت تقسیم کرتے ہوئے دیکھا۔ میں اس وقت بچہ تھا اور اونٹ کی ہڈیاں اٹھا رہا تھا۔ ایک عورت آئی۔ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے اپنی چادر مبارک بچھا دی۔ وہ اس پر بیٹھ گئیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا یہ میری رضاعی والدہ ہیں۔

آٹھویں صدی ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ طائف سے فتح ونصرت کے ساتھ واپس لوٹے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنوہوازن کی عورتوں اور بچوں سمیت چھ ہزار قیدی اور لاتعداد اونٹ اور بکریاں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنوہوازن کا ایک وفد جو مسلمان ہوچکا تھا آیا ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان قیدیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی پھوپھیاں اور خالائیں بھی ہیں۔ کیونکہ حلیمہ سعدیہ بھی اسی قبیلہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کی اس درخواست نے آپ رضی اللہ عنہا کے دل پر بڑا اثر کیا اور اپنی رضاعی والدہ کی نسبت سے ان کی

---

۱ الروض الانف: ۲/۹ ۲ ۲/۷۹

اس درخواست کو قبول فرمالیا۔ آپ ﷺ کے ذہن میں اپنی والدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا تصور آ گیا۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ ان میں سے جو میرا اور بنو عبدالمطلب کا حصہ ہے وہ میں تمہیں ہبہ کرتا ہوں۔ ہاں جب میں ظہر کی نماز پڑھا کر فارغ ہوں تو کھڑے ہو کر یہ کہنا۔

''ہم اپنے بچوں اور عورتوں کی واپسی کے سلسلہ میں حضور ﷺ کو اہل ایمان کے سامنے بطور شفیع پیش کرتے ہیں اور اہل ایمان کو بارگاہ رسالت میں شفیع بناتے ہیں۔''

جب تم اس طرح کہو گے تو میں اپنے حصہ کے جنگی قیدی تمہارے حوالے کر دونگا۔ اور دوسرے اہل ایمان سے ان کے حصہ کے جنگی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کرونگا۔''

جب حضور ﷺ ظہر کی نماز سے فارغ ہوئے تو وہ لوگ کھڑے ہو گئے۔ جیسے انہیں آپ ﷺ نے سمجھایا تھا اسی طرح انہوں اپنی گزارش کی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو قیدی میرے اور بنو عبدالمطلب کے حصہ میں آئے ہیں۔ وہ میں تمہیں عطا کرتا ہوں۔ یہ سن کر مہاجرین نے عرض کیا، جو جنگی قیدی ہمارے ہیں وہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کی نذر کرتے ہیں۔ اسی طرح انصار نے کہا، جو جنگی قیدی ہمارے حصے میں آئے ہیں ہم وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کی بارگاہ میں بطور نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ بنو تمیم اور بنو فزارہ جیسے قبائل جو ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اس بارے میں تردد سے کام لے رہے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم میں سے جو شخص اپنے قیدی کو چھوڑنا نہیں چاہتا اگر وہ چھوڑ دے تو جب اللہ تعالیٰ سب سے پہلے جو اموالِ خیر ہمیں عطا فرمائے گا۔ اور اس میں سے ہر مجاہد کو جو حصہ ملے گا۔ اس سے چھ گنا فی قیدی ہم ان کو معاوضہ دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے بنو ہوازن کی عورتوں اور بچوں کو واپس کر دیا کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی رضاعی پھوپھیاں اور خالائیں تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کو اپنی چچی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کی ذات میں بھی اپنی والدہ کی

صورت نظر آتی تھی۔ یہ بچپن میں آپ ﷺ کی نگہداشت فرمایا کرتی تھیں۔ آپ ﷺ ان کو بھی اپنی ماں کے بعد ماں تصور کرتے تھے۔ سیرت نگاروں نے حضرت عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ بن ابی طالب کی والدہ فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی قمیض انہیں پہنائی اور ان کی قبر میں لیٹے۔ ایک صحابی نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! جو سلوک آپ ﷺ نے ان سے کیا ہے۔ اس سے پہلے کسی سے کرتے نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابوطالب کے بعد ان سے بڑھ کر کسی نے مجھے عزیز نہیں رکھا۔ میں نے انہیں اپنی قمیض پہنائی ہے تاکہ انہیں جنت کا نورانی لباس پہنایا جائے۔ اور میں قبر میں لیٹا ہوں کہ ان پر قبر کی منزلیں آسان ہو جائیں۔

اسی طرح حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا آپ ﷺ سے جو محبت اور پیار تھا اس میں بھی آپ ﷺ ماں کی محبت اور پیار کی چاشنی محسوس کرتے۔ جب آپ ﷺ کی عمر مبارک پچیس سال ہوئی تو اس وقت آپ ﷺ کا نکاح سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ اور ہجرت کے تین سال پہلے ان کا وصال ہوا۔ اس طویل رفاقت میں آپ ﷺ نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا اور نہ آپ ﷺ تمام عمر اس محبت کو بھولے۔ کیونکہ ماں کے وصال کے بعد مامتا کی جو محبت آپ سے چھن گئی تھی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی محبت اس کا معاوضہ تھی۔ الغرض آپ ﷺ کو اپنی ماں کی صورت میں ان کی محبت و شفقت نظر آتی تھی۔

یہاں تک کہ حضور ﷺ کو اپنے بچہ کے ساتھ پیار کرنے والی ہر ماں میں اپنی ماں کی صورت دکھائی دیتی۔ آپ ﷺ جتنا کسی کی مامتا سے متاثر ہوئے اتنا کسی اور چیز سے متاثر نہ ہوئے۔ اپنے بندوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی مثال بیان کرنے کے لئے آپ ﷺ نے والدہ کی محبت سے زیادہ کوئی مناسب چیز نہ پائی۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ کچھ قیدی مدینہ طیبہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ ان میں ایک عورت بھی تھی۔ جب اس عورت

نے اپنے بچے کو ویدیوں میں دیکھا تو اسے اپنے سینے سے لگا کر دودھ پلانے لگی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا، کیا خیال ہے یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں پھینکے گی؟ انہوں نے عرض کی نہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے، جتنی یہ عورت اپنے بچے پر مہربان ہے۔

اس میں ذرا بھی شک وشبہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا دِل اپنی والدہ کی یاد سے معمور رہتا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ نے ماںتا کو وہ بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ جو مقام بشریت میں سب سے اعلیٰ اور محترم ہے۔ آپ ﷺ نے جنت کو ماں کے قدموں کے نیچے رکھ دیا اور ماں کی خدمت اور اس کے ساتھ صلہ رحمی کو جہاد فی سبیل اللہ پر مقدم قرار دیا۔ جب ایک صحابی ماریہ بن جہمہ سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رضائے الٰہی کی خاطر جہاد کے لئے اجازت طلب کرنے آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا۔ کیا تمہاری والدہ زندہ ہے؟ اس نے عرض کی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے انہیں حکم فرمایا جاؤ اپنی والدہ کی حسنِ ادب سے خدمت کرو۔ انہوں نے دوسری بار جہاد کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے پھر یہی حکم فرمایا۔ جب وہ تیسری مرتبہ آئے اور جہاد میں شرکت کے لئے اصرار کیا تو حضور ﷺ نے پھر وہی سوال دہرایا۔ اس نے عرض کی ہاں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا خدا تمہارا بھلا کرے۔ اس کے پاؤں کو لازم پکڑو۔ وہی تمہاری جنت ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس کی خدمت کرو۔ جنت اس کے قدموں تلے ہے۔ (۱)

انسانیت آج بھی رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کو غور سے سن رہی ہے اور مستقبل میں بھی سنے گی۔

''میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں اور اس میں طویل قرأت کرنا چاہتا ہوں۔ پھر بچے کی آواز سن کر نماز کو مختصر کر دیتا ہوں کیونکہ ماں کی تکلیف مجھے سخت ناگوار گزرتی ہے۔''

۱؎ الاستیعاب: ۱۴۱۳/۳

انسانیت کی نگاہ سے یہ چیز پوشیدہ نہیں رہے گی کہ وہ عظیم دِل آمنہ بنت وہب کے پیار اور محبت سے معمور ہے جو ماںتا کی تکریم اور توقیر کے اعلیٰ ترین جذبات کے ساتھ دھڑک رہا ہے۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے لال نبی پاک صاحب لولاک ﷺ کے اس ارشاد کے بعد انسانیت کے لئے ماں پر فخر کرنے کے لئے اور کون سی چیز باقی رہ جاتی ہے۔

''اگر میں اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو پاتا اس حال میں کہ میں عشاء کی نماز میں ہوتا اور میں سورۃ فاتحہ پڑھ چکا ہوتا اور پھر میری والدہ مجھے آواز دیتی۔ محمد ﷺ! تو میں ان کی آواز پر لبیک کہتا۔'' (۱)

۱؎ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

زندہ جاوید تذکرے

"زمانہ آپ ﷺ کی وجہ سے فخر کرتا ہے
آپ ﷺ کی ولادت سے بلندیوں کو بھی سرفراز
ملی آپ ﷺ کی بدولت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو وہ
فضیلت نصیب ہوئی جس کے باعث عورت کو
عزت وشرف حاصل ہوا۔ (بوصیری)

رسول اللہ ﷺ اپنا فریضہ رسالت ادا کرنے کے بعد مدینہ کی پاک سرزمین میں آرام فرما گئے۔ جس طرح آپ ﷺ کے والد ماجد پہلے ہی آرام فرما چکے تھے۔ آپ ﷺ بھی اس انجام سے گزرے جس سے ہر انسان گزرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

کل نفس ذائقة الموت

لیکن تاریخ انسانیت کی نظر میں آپ ﷺ آج بھی زندہ ہیں۔ آپ ان اربوں نفوس میں زندہ ہیں جو آپ ﷺ پر ایمان لائے اور لاتے رہیں گے۔ دنیا کا سر ہمیشہ اس عظیم رسول ﷺ کے سامنے جھکا رہے گا جس نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ اس وقت رومی سلطنت کے اقبال کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ پھر غروب ہوگیا۔ وہ عرب بدو جو جزیرہ عرب سے صرف موسم گرما وسرما میں تجارتی سفروں پر نکلتے تھے۔ انہوں نے رومی سطوت کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا۔ وہی قیصر وکسریٰ اور فراعنہ مصر کے تخت وتاج کے مالک بنے۔ پھر مشرق کی طرف نکلے اور اسلام کے پیغام کو دیوار چین تک پہنچادیا۔ پھر اسی پیغام کو لے کر مغرب کی

طرف نکل گئے اور بحر اٹلانٹک کے ساحل پر پہنچ کر متعصب کیتھولک کے قلعہ اسپین میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔ پھر شمال کی جانب چل دیئے تو یورپ کے مرکز میں آسٹریلیا کی شہنشاہیت کے دروازے پر دستک دے دی۔

عقل ہمیشہ اس کامل بشر ﷺ کی عظمت کے سامنے حیران اور سرنگوں رہے گی۔ جسے آمنہ بنت وہب نے جنم دیا۔ جو کھاتا ہے۔ بازاروں میں چلتا ہے۔ جس نے یتیمی کی تلخیوں کو چکھا۔ نکاح کیے۔ بچے ہوئے اور انسان کی مثل اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔

اس عظیم رسول ﷺ نے ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں تاریخ انسانی کا رخ موڑ دیا۔ آپ ﷺ نے بڑی بڑی سلطنتوں اور قوموں کی تقدیر بدل دی اور انہیں جزیرہ عرب کی طرف متوجہ کر دیا۔ وہ اس بنجر اور چٹیل جزیرہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ انہیں اس کے باشندوں کے بارے میں بھی کوئی خبر نہ تھی جو اس لق ودق صحرا اور خشک چٹانوں کے درمیان اونٹوں پر سفر کیا کرتے تھے۔

کیتانی، جو ویٹیکن سٹی میں پیدا ہوا اور راہب کی نگرانی میں پل کر جوان ہوا۔ یہ چودھویں صدی ہجری کی ابتداء میں جزیرہ عرب کی سیاحت کے لئے سفر پر نکلتا ہے تاکہ وہ اس درِ یتیم ﷺ، جس نے یہاں بکریاں چرائیں، کی عظمت اور اُس کے پیروکاروں کی ان سے شدید محبت کا راز جان سکے۔ ایک اور مستشرق اپنے ہاتھ میں قلم لئے بڑے تعجب اور حیرانگی کے عالم میں اس معجزہ کے بارے میں سوال کرتا ہے۔ جس کو سوکھا ہوا گوشت کھانے والی قریشی عورت آمنہ رضی اللہ عنہا نے عظیم ہیرو بنا دیا۔

جیسا کہ کارلائل نے بیان کیا ہے۔

آپ ﷺ اس عالم رنگ وبو میں مبعوث ہونے والے انبیاء میں سے وہ نبی ہیں جو کامل تاریخ کی روشنی میں پیدا ہوئے۔ ان کا معجزہ کتاب عربی ہے۔ پھر بھی آپ اپنی بشریت

پر قائم ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے آپ کو اپنے پیروکاروں کی اس اختراع وافتراء سے محفوظ رکھا جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں نے ان کو متہم کیا۔ مثلاً نہیں الٰہ بنا دیا۔ اللہ کا بیٹا قرار دیا۔

کیا دنیا محمد ﷺ سے پہلے یا بعد کسی اور عورت کے ایسے بیٹے کو جانتی ہے جس کے ہر روز کا عمل خواہ معمولی ہو یا غیر معمولی، قانون بن جاتا ہے۔ جس پر اس کے اربوں ماننے والے عمل پیرا ہیں۔ اور آج پورے ایمان ویقین سے اس پر کاربند ہیں۔

پوری نسل انسانی کے کسی گروہ میں ہرگز کوئی ایسا فرزند نہیں جو انسان کے لئے کامل نمونہ ہو۔ اور اس کے افعال کی بڑی احتیاط کے ساتھ پیروی کی جاتی ہو۔ یہ شرف صرف حضرت محمد ﷺ ہی کو حاصل ہے جنہیں آمنہ رضی اللہ عنہا بنت وہب نے حرم شریف کے قریب ربیع الاول کی ایک صبح جنم دیا۔ پھر جب آپ چھ سال کی عمر کو پہنچے تو آپ کو آپ کے والد کی قبر کی زیارت کے لئے یثرب لے گئیں۔ اور پھر راستہ میں آپ کو تنہا چھوڑ کر، دارِ آخرت کی طرف کوچ کر گئیں۔ ام ایمن جب حجاز کے صحرا میں ان کے جسد مبارک کو دفن کر رہی تھیں تو انہیں تو معلوم نہ تھا کہ جانے والی اپنے پیچھے بیٹے کی صورت میں ایک ایسی عظیم نشانی چھوڑ گئی ہیں جو زمانے کو زیر کر دے گا اور فنا پر غالب آ جائے گا۔ جس وقت وہ خوفناک صحراء میں اپنی مالکن پر رو رہی تھیں انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کے بیٹے پر ایمان لانے والے لوگ چند سالوں بعد اس قبر کی زیارت کریں گے۔ اور انہیں یہ محسوس ہوگا کہ جن اُن کا مرثیہ کہہ رہے ہیں۔

''ہم ایک امانتدار خوبصورت پاک دامن اور سنجیدہ بی بی پر روتے ہیں۔ وہ عبداللہ کی زوجہ اور رفیق تھیں۔ وہ صاحب وقار اللہ کے نبی ﷺ کی والدہ تھیں۔ اگر ان کا فدیہ دینا ممکن ہوتا تو بڑا قیمتی فدیہ دیا جاتا۔ موت کا خنجر بڑا تیز ہے وہ نہ کسی خاوند کو چھوڑتا ہے اور نہ کسی بیوی کو وہ ہر ایک کی رگ جان کو کاٹ دیتا ہے۔''

ابواء کے مقام پر سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو ان کی آخری آرام گاہ میں اتارنے والوں میں سے کسی ایک کو بھی یہ معلوم نہ تھا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ یہاں قبر میں آرام کرنے والی کو زندہ کیا جائے گا۔ اور پھر ان کا ذکر کبھی بھی ختم نہیں ہوگا۔ بلکہ ان کی حسین وجمیل صورت نسل در نسل منتقل ہوتی رہے گی آپ کا اسم گرامی صدیاں گزرنے کے باوجود بھی زندہ رہے گا۔

آپ کا اسم گرامی مامتا کے عظیم جلو میں ہوگا اور مومنین کے وجدان میں خوبصورت تأثر کو ابھارے گا۔ اور ان کے شعراء اس سے بہترین قصائد کہیں گے۔ اور دنیا ہر سال ربیع الاول کی اس مبارک رات کو اس سہانی گھڑی کی یاد کو منانے والوں کے نعرے سنے گی۔ جس میں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے لخت جگر سید البشر ﷺ کو جنم دیا۔

''جس اوج کمال پر آپ ﷺ پہنچے ہیں اس پر دوسرے انبیاء علیہم السلام کیسے رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔''

اے آسمان! کوئی دوسرا آسمان بلندی میں تیرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مقام ومرتبہ میں انبیاء علیہم السلام آپ ﷺ کے ہمسر نہیں۔ آپ ﷺ کے حسن وجمال کی چمک کے سامنے ان کی چمک ماند پڑ گئی۔ انہوں نے اپنی اپنی قوم کے سامنے آپ ﷺ کی صفات کا اس طرح عکس جمیل پیش کیا جیسے پانی ستاروں کا عکس دکھاتا ہے۔ زمانے کی گردش آپ ﷺ کی رہین منت ہے۔ آپ ﷺ ہی کی بدولت بلندیوں کو سرفرازیاں ملتی ہیں۔ آپ ﷺ کے سبب سے ہی سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو وہ فضیلت نصیب ہوئی جس سے عورت کو عزت وشرف حاصل ہوا۔

(الروض الانف)

سلام ہو سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا پر جو تمام ماؤں کی سردار ہے۔ سلام ہو اس نبی مصطفیٰ ﷺ کی والدہ ماجدہ پر جنہیں خاتم النبیین ﷺ بنا کر مبعوث کیا گیا۔

منقبت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا

ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نور نظر جان آمنہ رضی اللہ عنہا
ہم ہیں بصد خلوص ثناخوانِ آمنہ رضی اللہ عنہا

رتبہ بلند اور بڑی شان آمنہ رضی اللہ عنہا
دنیا کی ساری مائیں ہیں قربان آمنہ رضی اللہ عنہا

ہم کو ملے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان کی گود سے رضی اللہ عنہا
امت پہ ہے یہ شفقت و احسان آمنہ رضی اللہ عنہا

شاہِ عرب صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ ہیں آپ رضی اللہ عنہا
اللہ رے یہ مرتبہ و شانِ آمنہ رضی اللہ عنہا

دونوں جہان جس کی ضیاء سے ہیں فیضیاب
وہ نور حق ہے مہر درخشاں ہیں آمنہ رضی اللہ عنہا

تخلیق کائنات کا باعث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں
لکھا گیا ہے یہ باب بعنوانِ آمنہ رضی اللہ عنہا

ان کی نوازشات ہیں میری نگاہ میں
میں ہوں نصیرؔ دل سے ادب دانِ آمنہ رضی اللہ عنہا

پیر نصیر الدین نصیرؔ گولڑویؒ
(انتخاب: مولانا فضل الرحمٰن نورانی زید مجدہٗ)

منقبت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا

صدقے آپ پر ہوں دل و جان آمنہ رضی اللہ عنہا
آپ نے بخشا ہے ہم کو ایمان آمنہ رضی اللہ عنہا

جو ملا جس کو ملا آپ رضی اللہ عنہا سے ملا
دین و ایماں علم و عرفاں آمنہ رضی اللہ عنہا

کل جہاں کی مائیں ہوں آپ پر فدا
آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیں ماں آمنہ رضی اللہ عنہا

جس شکم میں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں جاگزیں
عرش اعظم سے ہے ذیشان آمنہ رضی اللہ عنہا

آمنہ رضی اللہ عنہا کے تین معنی بالیقیں
با امانت امن و ایماں آمنہ رضی اللہ عنہا

ہم ہیں مومن اور آپ ایمان بخش
چشمۂ دیں آپ سے رواں آمنہ رضی اللہ عنہا

ہے یہ سالکؔ آپ کے در کا فقیر
مانگتا ہے امن و ایماں آمنہ رضی اللہ عنہا

مفتی احمد یار خاں سالکؔ

کون خلد آشیاں، حضرتِ آمنہؓ
میرے آقاؐ کی ماں، حضرتِ آمنہؓ

لو سلامِ جہاں، حضرتِ آمنہؓ
تم سا کوئی کہاں، حضرتِ آمنہؓ

نورِ رب سے مگر خوب روشن ہوا
آپ ہی کا مکاں، حضرتِ آمنہؓ

سرورِ انبیاؑ آپ کی گود میں
سب سے افضل ہیں ماں حضرتِ آمنہؓ

مائیں افضل ہیں سب لیکن ان میں فقط
آپ ہیں آسماں، حضرتِ آمنہؓ

ساری مائیں کروں آپ پر میں فدا
میرے آقا کی ماں، حضرتِ آمنہؓ

نامِ نامی رہے ہر گھڑی آپؓ کا
میرے وردِ زباں حضرتِ آمنہؓ

رب نے تم کو چنا، خاص رتبہ دیا
جانِ رحمت کی ماں، حضرتِ آمنہؓ

شہرِ قائد میں ہم آپ سے دُور ہیں
ہم یہاں تم وہاں، حضرتِ آمنہؓ

آپ کی قبر پر حاضری کے لیے
اشک میرے رواں، حضرتِ آمنہؓ

رب سے طاہرؔ دعا، واسطہ آپ کا
پائے اُمّت اماں، حضرتِ آمنہؓ

شاعر حمد و نعت طاہرؔ سلطانی